ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اسلامی ملکوں کا خلا

''اس وقت تمام اسلامی ملکوں میں دو ایسے خلا ہیں جن کو پر کرنا فوری طور پر ضروری ہے؛ ایک خلا ہے مثالی معاشرہ کے فقدان کا جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہو اور عقائد و اخلاق سے لے کر معاملات اور زندگی کے تمام شعبوں میں وہ اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار ہو، انسان اس فضا اور ماحول میں امن وسکون اور طمانینت قلبی محسوس کرے، ایمانی خوشبو اس کے مشام جاں کو معطر کر دے۔

عالم اسلامی کا دوسرا خلا کسی ایسی طاقتور اور مومنانہ دعوت و قیادت کا فقدان ہے جس کے اندر مردانگی کا جوہر، بلند نگاہی، عالی ہمتی، دور اندیشی اور پیش بینی کے ساتھ ان بڑی طاقتوں کا سامنا کرنے کی صلاحیت اور قدرت بھی ہو جنھوں نے بغیر کسی جواز و استحقاق کے نوع انسانی کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور جو اسلامی ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کی مالک بن بیٹھی ہیں۔''

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (کاروان زندگی پنجم:۲۶)

مركز الإمام أبي الحسن الندوي

دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

Dare Arafat Abul Hasan Ali Nadwi Center

DEC 12

₹ 10/-

عالمگیر فساد

اس وقت تمام دنیا میں سخت اختلاف ہے، روزمرہ کی جو حقیقتیں سورج کی طرح روشن ہیں اور جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی دعویٰ ایسا نہیں جس کی ہر جگہ سے، ہر ادارہ سے اور ہر مکتبِ خیال سے تائید ہو۔ ایسی کوئی حقیقت نہیں جس پر سب کے سب متفق ہوں، لیکن ایک بات ایسی ہے ہر طرف سے اس کی آپ تائید سنیں گے، اور جہاں جائیں گے، آپ اس کی صدائے بازگشت پائیں گے وہ یہ ہے " ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ " "اس وقت دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے اور ایسا بگاڑ ہے جس سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے" یہاں تک کہ جو ملک اپنی مادی ترقی کے نقطۂ عروج پر پہنچ گئے ہیں، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اسی کا رونا پائیں گے، کوئی مجلس، کوئی جلسہ، کوئی کتاب، کوئی مباحثہ؟ کوئی مذاکرہ، کوئی غور و فکر کا حلقہ اس سے خالی نہیں، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر جائیے، ہر جگہ آپ اسی کا شکوہ پائیں گے کہ " ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ " ۔ "بگاڑ بہت پھیل گیا ہے اور دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے"۔

وہ حقیقت ہے جس پر قریب قریب اس وقت دنیا کے تمام سوچنے اور سمجھنے والے، یہاں تک کہ جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے وہ بھی متفق ہیں، جو کتابوں کے پڑھنے والے ہیں، وہ کتابوں کے واسطہ سے جانتے ہیں، جن لوگوں کو اس کا اتفاق نہیں ہوتا، یا اس کی فرصت نہیں ملتی، ان کے کانوں میں بھی یہ بات پڑتی رہتی ہے، ہمارا ملک ہو یا کوئی باہر کا ملک، یورپ ہو یا امریکہ، افریقہ ہو یا ایشیاء، اور یہاں تک کہ وہ سرزمین جو خیر و برکت کی سرزمین ہے، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اس کا احساس عام پائیں گے کہ " ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ "

یہ ایک ایسی الجھی ہوئی ڈور ہے جس کا سرا کسی کو نہیں ملتا، بگاڑ تو ضرور ہے، لیکن بگاڑ کا سبب کیا ہے اور جس قدر اس ڈور کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ الجھتی ہی چلی جا رہی ہے، اس لیے کہ سرا ہاتھ میں لینے اور سرا تلاش کرنے کا جو فطری طریقہ ہے اور جو خدا نے بیان کیا ہے وہ کھو گیا ہے اور اس کی کسی کو خبر نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (قرآنی افادات جلد دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

جلد نمبر ۴ | دسمبر ۲۰۱۲ء - محرم الحرام ۱۴۳۴ھ | شمارہ نمبر ۱۲

فہرست مضامین

مسئلۂ فلسطین........۲
بلال عبدالحی حسنی ندوی........
قرآن مجید-صحیفۂ رشد و فلاح........۳
علامہ سید سلیمان ندویؒ........
مسلمانوں کا ماضی اور حال........۵
مولانا شمس الحق ندوی........
صفر المظفر کا مہینہ........۸
مولانا خالد غازی پوری ندوی........
قوت فکر و عمل کا فقدان........۹
مولانا اسرار الحق قاسمی........
احکام مولود-بچوں کے چند مسائل........۱۱
مفتی راشد حسین ندوی........
و أنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين........۱۴
مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی........
حکمرانوں کی معزولی اور اس کے اسباب........۱۶
سید خلیل حسنی ندوی........
امریکی افواج میں خودکشی کا رجحان-ایک جائزہ........۱۸
محمد نفیس خاں ندوی........
دار عرفات اپنے ایک رکن سے محروم........۲۰

Dare Arafat Abul Hasan Ali Nadwi Center

دار عرفات

مرکز الإمام أبی الحسن الندوی

سرپرست

حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دارِ عرفات)

نگراں

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دارِ عرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۱۰ روپئے سالانہ: ۱۰۰ روپئے

www.abulhasanalinadwi.org
Fax: 0535-2211386
Mail: markazulimam@gmail.com

مرکز الامام أبی الحسن الندوي دار عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

اداریہ

مسئلۂ فلسطین

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ادیان ومذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ کسی بھی مذہب نے انسانوں کو جانور نہیں سمجھا، اور کسی بھی انسان کے ساتھ خواہ وہ دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہو جانوروں جیسا برتاؤ نہیں کیا، خاص طور پر مذاہب کے پیشواؤں اور علماء نے کبھی بھی ان برائیوں کو اچھا نہیں سمجھا، جن کو ایک عام انسان بھی برا سمجھتا ہے، اور اس کے لیے کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی، چوری ڈکیتی، دوسروں کو ناحق ستانا، حق مارنا، ایذاء پہونچانا، ناحق ظلم کرنا، یہ وہ برائیاں ہیں جن کو ہر انسان برائی سمجھتا ہے، ان پر ملامت کی جاتی ہے اور جہاں تک ہوسکتا ہے روکنے کی کوشش ہوتی ہے، اور معاشرہ کو ان سے پاک کرنے لے لیے جتن کیے جاتے ہیں، کوئی بھی ان برائیوں کو اختیار کرنے کی دعوت نہیں دیتا، لیکن دنیا میں تنہا ایک قوم ایسی ہے جس کے عوام نہیں بلکہ خواص علماء اور دین کے حاملوں نے ان برائیوں کی نہ صرف یہ کہ اجازت اور کھلی چھوٹ دی بلکہ وہ اس کے داعی بن گئے، اس قوم کے بڑے بڑے حاخامات ان برائیوں کو کر کے فخریہ بیان کرتے ہیں، اور اسی کو انہوں نے اپنے لئے ترقی کا زینہ سمجھا ہے۔

یہودی ایک ایسی قوم ہے جس کے مکروفریب اور اس کی شیطنت سے وہ مغربی ممالک بھی تنگ آچکے ہیں جو خود اخلاقی دیوالیہ کا شکار ہیں، ایک لمبی مدت تک یہ قوم مغربی اقوام کے لیے سنگین مسئلہ بنی ہوئی تھی، آخر انھوں نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے ''مملکت اسرائیل'' کی تجویز پاس کی، اور پھر عربوں کی سرزمین پر ۱۹۱۷ء میں خفیہ طور پر یہودیوں نے قدم جمانے شروع کیے، ۱۹۲۰ء کے بعد باقاعدہ انگریزوں کی سرپرستی میں وہاں یہودیوں کی باز آبادکاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں ان کی تعداد چھ لاکھ کے قریب پہنچ گئی۔ ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ حکومت ''اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کردیا گیا، اور یہودیوں نے کئی عرب ریاستوں پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس طرح فلسطین کی سرزمین پر ایک ایسا ناسور وجود میں آگیا جس نے نہ جانے کتنے گھروں کو ویران کیا، اور وہی یہودی جو مظلومیت کا رونا رو رو کر وہاں آباد ہوئے تھے انھوں نے ظلم کے وہ سارے حدود پار کرلیے جس کا تذکرہ بھی رونگٹے کھڑے کردینے کے لیے کافی ہے۔ بڑی ردّ وقدح کے بعد فلسطین کی ایک چھوٹی سی پٹی (غزہ) مسلمانوں کے حوالہ کردی گئی، لیکن وہ بھی اسرائیل کی نظروں میں مسلسل کھٹک رہی ہے، اور وہاں کے باشندوں پر ہر طرح کی اقتصادی ومعاشی پابندیاں لگا کر ان کی زندگیاں اجیرن کی جارہی ہے، وہاں کے مظلوم باشندوں پر اسرائیلی درندگی آئے دن کی بات بن چکی ہے، نہ عورتوں کی عزتیں محفوظ رہتی ہیں اور نہ معصوم بچوں کی زندگیاں محفوظ ہیں، ابوغریب کی جیل میں سیکڑوں بے گناہ غیرانسانی، شرمناک اذیتوں سے دوچار ہیں لیکن کسی کے منہ سے ہمدردی کے دو بول بھی نہیں نکلتے۔

اسرائیل کے پاس ہر طرح کے مہلک ہتھیار ہیں، خطرناک میزائل اور بم ہیں، رپورٹوں کے مطابق اسرائیل ایٹمی طاقت سے بھی لیس ہوچکا ہے، اور یہی وہ جنگی جرائم تھے جن کو بنیاد بنا کر امریکہ نے عراق کو تاراج کیا تھا، لاکھوں افراد موت کے گھاٹ اتاردیے گئے، شہر کے شہر ویران کردیے گئے اور پورا ملک بارود کی لپیٹ میں چلا گیا جس سے وہ آج تک نکل نہیں سکا، جبکہ اسرائیل نہ صرف ان ہتھیاروں سے لیس ہے بلکہ ان کا بے دریغ استعمال بھی کر رہا ہے، وہ عالمی قوانین کو اپنے پیروں تلے روندھ رہا ہے، لیکن عالمی برادری میں احتجاج کی ہمت نہیں، وہ موش تماشائی بنی ہوئی ہے، اور سپر پاور اس کی سرپرستی کر رہا ہے، اسے اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ فلسطین کے مسئلہ کو مزید سنگین کرنا اور ہر حال میں اسرائیل کی پشت پناہی کرنا چاہتے ہیں اور بس۔

آج امریکہ، اسرائیل اور یورپ کا ایک ایسا مثلث تیار ہوچکا ہے جو پوری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا ہے، ان کے یہاں اخلاق اور انسانی قدروں کی کوئی قیمت نہیں، نہ ان کو ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم برسانے میں کوئی عار ہوا، نہ عراق وافغانستان کی سرزمین لہولہان کر دینے سے ان کی پیشانی پر کوئی شکن آئی، اور نہ فلسطین کے نہتے مسلمانوں پر میزائلیں برسانے میں ان کو کوئی شرم ہے۔

لیکن یہ صورت حال ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، آج نہیں تو کل حالات ضرور بدلیں گے، اور اس وقت سبھی مجرموں کو ان کے جرم کی سزا ضرور ملے گی۔

قرآن مجید
صحیفۂ رشد و فلاح

علامہ سید سلیمان ندویؒ

دنیا کے ہر پیغمبر نے اپنی امت کے سامنے حیرت انگیز معجزے پیش کیے ہیں، حضرت نوحؑ کی دعا نے عالم کو غرقاب کردیا، حضرت شعیبؑ اور حضرت لوطؑ کی دعاؤں نے آتش فشاں کے دہانوں سے آگ برسائی، حضرت موسیٰؑ کے معجزہ نے فرعون کو بحر احمر کا طعمہ بنادیا، عصائے موسیٰ کی کارفرمائی نے چٹانوں کی چھاتی سے پانی کا دودھ بہایا اور بحر احمر کے دو ٹکڑے کردیئے، دم عیسیٰؑ نے جنم کے اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو چنگا کیا، فرش موت کے سونے والوں کو جگایا، اور قبر کے مردوں کو باذن اللہ کہہ کر جلایا۔

یہ واقعات دنیا میں پیش آئے اور ختم ہوگئے، برق کا شرارہ تھا جو دم کے دم میں چمکا اور بجھ گیا، لیکن ایک پیغمبر ایسا بھی آیا جس کے حیرت انگیز معجزہ نے قوموں کو ہلاک کرنے کے بجائے ان کو حیات تازہ بخشی، پتھر والوں کو موم، عقل کے اندھوں کو بینا، اور بنی آدم کی جمعیت کو غفلت و بے ہوشی کی نیند سے جگا کر ہشیار اور کفرو شرک کی ہلاکت سے بچا کر زندہ کیا، یہ حیرت انگیز واقعہ بجلی کی چمک کی طرح دفعتاً ظاہر ہوکر غائب نہیں ہوگیا یہ ید بیضاء، عصائے موسیٰ اور دم عیسیٰ کی طرح اپنے امکان اور وقوع میں فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلی نکتہ سنجیوں کا محتاج نہیں، یہ روز روشن کی طرح واقعہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ہزار سال تک ممتد و متواتر واقعیت بن کر، دنیا اور اہل دنیا کے سامنے جلوہ گر رہا۔

محمد رسول اللہ ﷺ آخری دین اور آخری صحیفہ لے کر اور نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ بن کر، اس دنیا میں تشریف لائے، آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نیا دین آنے والا، نہ کوئی نئی کتاب اترنے والی، اور نہ کوئی نئی نبوت مبعوث ہونے والی تھی، اس لیے ضرورت تھی کہ دوسرے انبیاء کی طرح آپ ﷺ کا خاص معجزہ وقتی اور عارضی نہ ہو بلکہ جب تک اس دنیا میں آپ ﷺ کی نبوت کا نور چمکتا ہے اس کی روشنی بھی قائم ہے چنانچہ وقتی اور عارضی معجزوں کے علاوہ آپ کو ایک خاص معجزہ بخشا گیا جو قیام قیامت تک قائم اور باقی رہنے والا ہے قرآن نے تحدی کی کہ میں اپنے رسول و پیغمبر کی صداقت کی گواہی ہوں، جن و انس مل کر بھی چاہیں تو مجھ جیسی کتاب بلکہ ایک آیت بھی بنا کر پیش نہیں کرسکتے، اس اعلان پر پوری چودہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر اب تک فضائے بسیط کے ہر گوشہ میں اس کے جواب میں خاموشی چھائی ہے۔

یہاں بھی عقل و فلسفہ کی منطقیانہ نکتہ آرائیوں سے بچ کر، تاریخ کے آئینہ میں واقعیت کا چہرہ دیکھیں، قرآن پاک دنیا کی سب سے تاریک سرزمین میں، سب سے جاہل قوم پر اترا، جو علم و تمدن سے عاری، دولت و ثروت سے خالی، سامان و اسلحہ سے محروم اور ہر قسم کی دنیاوی اور مادی طاقت سے تہی مایہ تھی، قرآن نے تیرہ برس تک کبھی پہاڑوں کے غاروں سے اور کبھی پہاڑوں کی چٹانوں سے انسانیت کو آوازیں دیں، اس طویل مدت میں اس کی پکار کے جواب میں سبّ و شتم سنگریزے اور پتھر، تیز و تبر اور تیغ و خنجر کی بارش ہوتی رہی، لیکن جونہی کہ چودھویں برس کا چاند طلوع ہوا، اس کی روشنی ماہ شب چہاردہم بن کر نمودار ہوئی اور چند سال کے عرصہ میں دیکھا تو عرب کا گوشہ گوشہ بقعۂ نور بن گیا۔

قرآن کا سب سے بڑا تاریخی معجزہ یہ ہے کہ ۲۳ برس کی تعلیم میں ایک ان پڑھ اور جاہل قوم کو عالم ترین اور متمدن ترین قوم بنادیا، جس کی عظمت نے دنیائے قدیم کے دونوں بازو قیصر و کسریٰ کو توڑ دیا، چالیس برس کی مدت میں جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا، قرآن کے ماننے والوں نے جو بحر ہند کے دہانے سے لے کر، بحر اطلانتک کے ساحل تک پھیلے ہوئے تھے، دنیا کی کایا پلٹ دی، تاریکی کی جگہ نور، جہالت کے بدلہ علم، شرک و کفر کے بجائے خدا پرستی آئی، دنیا کی سب سے غریب و مفلس قوم سب سے بڑی دولت مند اور سب سے نادان و جاہل و وحشی قوم

سب سے بڑی عالم وعلم پرور اور متمدن ہوگئی، دنیا کی سب سے ضعیف وکمزور قوم سب سے قوی اور سب پر غالب ہوگئی وہ قوم جس کو دنیا میں کبھی سیاسی عزت وجاہ جلال نصیب نہیں ہوا تھا اس نے دنیا کی شہنشاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا۔

عرب وعجم، ترک وویلم، حبش وزنگ، ہندوسندھ جس نے بھی قرآن کو اپنے سینہ سے لگایا اس نے فتح وظفر کا پرچم ہاتھ میں لیا، تخت شاہی اپنے دونوں پاؤں کے نیچے بچھایا، اور حکومت کا تاج اپنے فرق شاہی پر رکھا، عربوں کی کیا بساط تھی، ویلم کو کون جانتا تھا، سلجوق سے کون واقف تھا، غور وخلج وتغلق کس شمار میں تھے، کرد کس گنتی میں تھے، خوازرم شاہی اتابکی اور مصر کے بحری ممالک اور ہندوستان کے ترکی غلاموں کی حیثیت کیا تھی، اور مٹھی بھر آوارہ گرد ترک قبیلہ کا سردار عثمان خاں جس کی اولاد نے یورپ، ایشیا اور افریقہ دنیا کے تین براعظموں پر چھ سو برس تک حکومت کی، اسلام سے پہلے کیا تھا مگر جب انہوں نے اپنی عقیدت کا سر قرآن کے آگے جھکایا تو دنیا کی شہنشاہیوں نے ان کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

عربوں کا تمدن کیا تھا، افریقہ کے وحشیوں کا رتبہ کیا تھا، بربر کی بربریت کی داستانوں سے کون آگاہ نہ تھا، ترک وتاتار کی درندگی کے واقعات سے کس کے کان آشنا نہ تھے، مگر دیکھو کہ جب قرآن نے ان کے سر پہ سایہ ڈالا تو انہی کے ہاتھوں سے عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں پڑیں، بڑے بڑے متمدن شہر آباد ہوئے، علوم و فنون کی درسگاہیں کھلیں اور تمدن وتہذیب کے نقش ونگار اور آثار نمودار ہونے لگے، فلسفہ وعقل کی جلوہ آرائی ہوئی علم وفن نے ترقی کی، بیسیوں نئے علوم اختراع ہوئے، پچھلے علوم نے رونقیں تازہ پائی اور ان کی بری اور بحری تجارتوں نے دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کرلیا۔

ان سب سے ماوراء اور مادہ ومادیات سے ہٹ کر انسانی اخلاق وآداب نے اسی قرآن کی تعلیم وہدایت سے تکمیل کا درجہ پایا، عدل وانصاف اور اخوت ومساوات کے سبق ازبر ہوئے اور اہل جہاں کی آنکھوں کو وہ منظر دکھا دیا کو آغا آفرینش سے آج تک انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا مغرب کی قوموں کو مشرق سے اور مشرق کی بستیوں کو مغرب سے ملا دیا اور حسب ونسب، قومیت ووطن، پستی وبلندی، اور شاہی وگدائی کے ہر قسم کے نشیب وفراز کو مٹا کر قرآن والوں کو ایک برادری اور واحد قومیت پیدا کردی، جس کا وطن دنیا کا ہر ملک اور جس کا مسکن دنیا کا ہر گوشہ تھا۔

باطل پرستی کے ہر طلسم کو توڑ دیا، بتوں کے ہیکل مسمار کر دیئے، ستارہ پرستی کا چراغ گل کردیا، انسانی جانوں کی قربانی موقوف کردی، دختر کشی کی رسم کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر پھینک دیا، عورتوں کو عزت غلاموں کو آزادی اور غریبوں کو بشارت دی اور سب کے لیے صرف ایک ایمان اور عمل صالح کو ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا زینہ بنایا اور بتایا کہ انسانی سعادت کی شاہراہ غاروں، خلوتوں اور پہاڑوں سے ہو کر نہیں گذری ہے، بلکہ شہروں، بازاروں، مجمعوں اور انسانی بھیڑ بھاڑ کے اندر سے گذری ہے، حق کی نصرت انسانوں کی بھلائی، یتیموں کی سرپرستی، غریبوں کی امداد، گرتوں کی دستگیری، مظلوموں کی فریادرسی اور غلاموں کی آزادی ہی نیکیوں کی جڑیں ہیں اور اس راہ میں ہر قسم کی جدوجہد، زحمت کشی و محنت اور ایثار وقربانی اصلی نفس کشی وریاضت ہے۔

اور سب کے آخر میں اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کو اس نے اللہ کے ایک آستانۂ قدس کے سوا دنیاوی قوت کے ہر آستانہ سے بے نیاز کردیا، خدائے قادر کی قدرت کے سوا، ہر قدرت سے وہ بے نیاز اور ہر قوت سے وہ بے پرواہ ہوگئے، انہوں نے فرعونوں کو دریا میں دھکیل دیا، نمرودوں کے تخت الٹ دیئے، ہامانیوں کی سلطنتیں چھین لیں، اور شدادیوں کی بہشت پر قبضہ کرلیا اور یہ سب کچھ اس لیے وہ کرسکے کہ انہوں نے ان سب جھمیلوں کے ساتھ ہر رشتۂ محبت کو توڑ کر صرف خدا سے اپنا رشتہ جوڑا تھا، ان کے ہر عمل کی غایت اللہ کی خوشنودی اور رضامندی تھی تو اللہ بھی ان سے خوش ہوا اور اپنی خوشنودی کا ہر خزانہ ان کے لیے کھول دیا۔

مسلمانو! ربانی قوت کا یہ سرمایہ اب بھی تمہارے پاس ہے اور اللہ کے اس خزانۂ رحمت کی کنجی اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے ہمت کرو اور ادب سے اس کے اوراق کو کھولو، اس کے معنوں کو سمجھو، اس کی باتوں پر یقین کرو اور اس کے حکموں کو مانو اور اس پر عمل کرو، پھر دیکھو کہ تم کہاں سے کہاں پہنچتے ہو!

مولانا شمس الحق ندوی

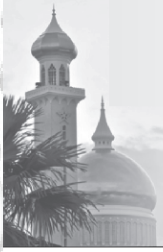

مسلمانوں کا ماضی اور حال

دنیا کی دیگر قوموں نے اپنی تاریخ خود سے گڑھی ہے اور اس کے لیے فرضی ہیرو تیار کیے ہیں، اشخاص اور افسانے تیار کیے ہیں مگر ہماری تاریخ حقیقت و واقعہ ہے، ہماری تاریخ ایسے بے شمار انسانیت دوست اور شیر دل افراد سے بھری پڑی ہے کہ دنیا کی دوسری قومیں ویسے چند افراد پیش کرنے سے قاصر ہیں، ہماری تاریخ میں ایسے تابندہ و درخشاں نقوش ہیں جو مردوں کی مسیحائی کرتے ہیں، انسان کے تن مردہ میں جان ڈال دیتے ہیں، اس لیے کہ ان میں صلاح وخیر ہے، اعتماد وخودداری ہے، روح وحقیقت ہے نہ کہ داستان سرائی وافسانہ بازی!

ابن عساکر اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب رومی لشکر اسلامی فوجوں کے سامنے شکست کھانے لگے تو ہرقل بہت گھبرایا اور اپنے ملک کے عقلاء اور بڑے بڑے لوگوں کو بلا کر ان سے کہنے لگا کہ تم پر تف ہے کیا یہ لوگ جو تم سے لڑ رہے ہیں وہ تمہارے ہی جیسے انسان نہیں ہیں؟ ہرقل کی باتیں سن کر ان لوگوں نے جواب دیا کہ جی ہاں، ہیں تو ہمارے ہی جیسے انسان، پھر اس نے پوچھا کیا وہ زیادہ ہیں یا تم لوگ؟ اس وقت ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ ان سے ہر حیثیت سے زیادہ ہیں، ہرقل نے کہا پھر کیا بات ہے کہ جب بھی تم ان سے لڑتے ہو، شکست کھا جاتے ہو، ہرقل کی بات سن کر ان لوگوں نے جھنجھلا کر سر جھکا لیا، لیکن ان سربرآوردہ لوگوں میں سے ایک بوڑھے شخص نے ہمت کی اور ہرقل سے کہا: حضور کیا آپ واقعی اس کا سبب معلوم کرنا چاہتے ہیں، اس بوڑھے نے کہا: وہ ہم پر اس لیے غالب آجاتے ہیں کہ رات کو تو عبادت گزار ہوتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور دن میں روزے رکھتے ہیں، وہ جو وعدہ کرتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، آپس میں ایک دوسرے کے بھی خواہ ہوتے ہیں، بغیر کسی مقدمہ و عدالت کے ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور ہمارا یہ حال ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کام کرتے ہیں، جو عہد کرتے ہیں اس کو پورا نہیں کرتے، ہم غریب محتاج پر غصہ ہوتے ہیں اور اس پر ظلم کرتے ہیں، خدا کو ناراض کرنے والی باتوں کا حکم دیتے ہیں، اور اس کو خوش کرنے والی باتوں سے روکتے ہیں، ہم زمین میں فساد وبگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

اس بوڑھے کی باتوں کو سن کر ہرقل نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو، ہرقل نے ایک دوسرے شخص سے جو کچھ دنوں مسلمانوں کے پاس قیدر ہا تھا کہا تم ان لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے بارے میں بتاؤ وہ کیسے ہیں، تم نے وہاں کیا دیکھا؟ اس قیدی نے کہا:

''ہم ان کے شب و روز کا تمہارے سامنے ایسا نقشہ کھینچیں گے جیسے تم انہیں دیکھ رہے ہو وہ دن میں شہسوار اور رات میں عبادت گزار ہوتے ہیں، اپنی امان میں رہنے والوں سے خریدے بغیر کچھ نہیں کھاتے، جب کسی کے پاس جاتے ہیں تو سلام کیے بغیر اس کے پاس نہیں جاتے جن سے جنگ کرتے ہیں اس طرح جم کر کرتے ہیں کہ شکست فاش دیتے ہیں''۔

اس قیدی نے جس نے مسلمانوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا، ہرقل کے سامنے ان کا ایسا نقشہ کھینچا کہ وہ حیران و ششدررہ گیا اس پر ایسا خوف وہراس طاری ہوگیا کہ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، ڈر کے مارے قدم اٹھانا مشکل ہوگیا کلیجہ تھام کر بیٹھ گیا، وہ اپنی قوت ادراک سے یہ سمجھ گیا کہ ایسے لوگ کبھی شکست نہیں کھا سکتے، رومی لشکروں کے جتھے ان کے سامنے ٹک نہیں سکتے، چنانچہ اس اس قیدی سے کہا کہ تم نے جو اوصاف

بیان کیے اگر وہ صحیح ہیں تو ایک دن وہ ہمارے تخت وتاج پر قبضہ کر کے رہیں گے، پھر جب رومیوں کو شکستوں پر شکستیں ہوئیں تو ایک دن وہ ملک شام کے ٹیلہ پر کھڑا ہوا اور شام کو خیر آباد کہتے ہوئے اس نے کہا، سوریہ! تجھے میرا آخری سلام جس کے بعد پھر تجھ سے ملنا نہ ہوگا، الوداع اے سوریا الوداع! آج کے بعد جو رومی بھی یہاں آئے گا خوفزدہ وحواس باختہ ہوگا۔

مسلمانوں نے اپنے اخلاق سے دنیا کو فتح کیا تھا، اس قوم کے حالات عجیب وغریب ہیں جس نے اپنے خدا سے مدد مانگی اور مضبوطی کے ساتھ اسلامی قدروں پر قائم رہی، اس نے دنیا کو ہتھیار وقوت سے فتح کرنے سے قبل اس کو اپنے اخلاق جمیلہ اور عادات حمیدہ سے فتح کیا، وہ ملکوں کے قلعوں میں داخل ہونے اور شہر پناہوں کو توڑنے سے پہلے وہاں کے باشندوں کے دلوں میں داخل ہوئی، سارے عالم میں ان کا ڈنکا بجنے لگا، اور روئے زمین پر رہنے والی قومیں اور بادشاہ ان سے خوفزدہ ہوگئے۔

جب مسلمانوں نے کسریٰ کے شہروں کو فتح کرلیا، اور عرب بہادر سرزمین عجم میں داخل ہوگئے، تو ان کے بادشاہ یزدگرد نے چینی بادشاہ کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور اس سے عربوں کے خلاف مدد طلب کی اس وقت بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ نازک موقع پر ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کی مدد کرتا تھا، یزدگرد کا یہ قاصد جب چین سے واپس ہوا تو ہدایا وتحائف سے لدا پھندا واپس ہوا، اور یزدگرد سے کہا کہ بادشاہ چین نے مجھ سے ان لوگوں کے حالات پوچھے جو ہمارے ملک پر قابض ہو گئے ہیں، جب میں نے ان کو تفصیلات بتائیں تو اس نے کہا کہ تم ان کی تعداد کم اور اپنی زیادہ بتاتے ہو، اتنی کم تعداد اتنی زبردست تعداد پر تو اسی وقت غالب آسکتی ہے جب ان میں خوبیاں ہوں، اور تم میں برائیاں اور خرابیاں ہوں۔

میں نے عرض کیا، آپ مزید کچھ پوچھنا چاہیں تو پوچھیں، میں آپ کو بتاؤں گا، تب شاہ چین نے کہا کیا وہ عہد کرنے کے بعد عہد پورا کرتے ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں، پھر اس نے پوچھا کہ وہ لوگ تم سے لڑنے سے پہلے تم لوگوں سے کیا کہتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ وہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات منظور کرنے کو کہتے ہیں، پہلی بات تو یہ کہ ہم ان کے دین کی پیروی کریں، اگر ہم اس کو مان لیں تو وہ ہم کو اپنے ہی طریقے پر چلاتے ہیں، اور پھر ہمارے بھی وہی حقوق ہوں گے جو ان کے ہیں، اور ہم پر بھی وہی ذمہ داری ہوگی جو ان پر ہے، دوسری بات یہ کہ جزیہ دیں، یہ بھی منظور نہ ہو تو پھر جنگ کی دعوت دیتے ہیں۔

اس کے بعد بادشاہ نے پوچھا کہ اپنے سرداروں کی اطاعت کے معاملے میں وہ کیسے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ کوئی قوم اپنے ہادی ورہبر کی اطاعت کی جو بہتر سے بہتر مثال پیش کرسکتی ہے، وہ اس طرح اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں، پھر بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کن چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں اور کن چیزوں کو حرام؟

قاصد نے کہا کہ میں نے بادشاہ کو جواب دیا کہ وہ لوگ خبیث وفحش چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، گمراہی کی ہر بات کو اور ہر قسم کے شر اور ناپسندیدہ چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں، یہ سن کر بادشاہ نے سوال کیا کہ وہ لوگ کسی چیز کو حرام قرار دینے کے بعد پھر اس کو حلال کرتے ہیں یا حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں؟ میں نے جواب دیا نہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ ان کی شریعت محکم و پائندہ ہے، خدا ان کی شریعت کا محافظ ونگہبان ہے، وزمین وآسمان سے بھی زیادہ قائم وثابت رہنے والی چیز ہے، ان کا یہ اصول ہے کہ خدا کی نافرمانی کرکے کسی مخلوق کی اطاعت وفرمانبرداری قبول کرنا حرام وناجائز ہے۔

یہ ساری تفصیلات سننے کے بعد بادشاہ چین نے کہا کہ یہ لوگ کبھی مٹ نہیں سکتے، الا یہ کہ وہ حرام کو حلال سمجھنے لگیں، اور بھلی اور نیک بات کو پست اور گھٹیا تصور کرنے لگیں، اس کے بعد شاہ چین نے فارس کے قاصد سے عربوں کے لباس کے متعلق پوچھا تو اس نے اس کو بتایا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے اچھا لباس تقویٰ وخوف خدا ہے۔

﴿و لباس التقویٰ ذٰلك خیر﴾ (الاعراف:۲٦)

(تقویٰ کا لباس سب سے اچھا لباس ہے)

پھر اس نے کہا کہ ان کی سواریاں کیسی ہوتی ہیں؟ قاصد نے جواب دیا: عقل ومشورہ، ان کا مشہور جملہ ہے کہ جس کو اپنی رائے اور سوجھ بوجھ پر ناز ہوا وہ مارا گیا، اور جس نے اپنی عقل کے زعم میں دوسروں سے بے نیازی برتی وہ غلطی سے محفوظ نہیں، بادشاہ نے پھر سوال کیا، تمہیں ان کے آپس کے معاملات ورہن سہن کے متعلق کیا معلومات ہیں؟ قاصد کہتا ہے کہ میں نے بادشاہ کو جواب دیا کہ ان کے رسول ﷺ نے انہیں جو تعلیمات و ہدایات دی ہیں وہ اس کے پابند ہوتے ہیں وہ یہ کہ ان مین سے اگر کوئی شخص کسی سے خفا وناراض ہو تو اس ناراضگی کے سبب اس پر ظلم نہ کرے، وہ اگر کسی کا دوست ہو تو محبت کے سبب کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو، ثبوت ملے یا نہ ملے حق کو تسلیم کرے، کوئی نیکی کرنا چاہے تو اس میں لالچ کا شائبہ نہ ہو، جب شاہِ چین نے عربوں کے متعلق یہ مکمل ومفصل معلومات حاصل کرلیں تو یزدگرد کو حسب ذیل مضمون کا خط لکھا:

''اگر میں چاہوں تو تمہاری مدد کے لیے ایسا زبردست لشکر بھیجوں جس کا ایک سرا تمہارے ملک ''مرو'' میں ہو اور دوسرا سرا چین میں مگر آپ کے قاصد نے مسلمانوں کے جو حالات بیان کیے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کے سامنے پہاڑ بھی ہیچ ہیں اگر انہیں راستہ مل جائے تو ان اوصاف کے ہوتے ہوئے جو آپ کے قاصد نے بیان کیے ہیں، یہ لوگ ہمارا بھی تخت وتاج چھین لیں گے، یہ صورت حال لشکر بھیجنے سے مانع ہے آپ ان سے صلح کرلیں، اس کے سوا کوئی چارہ نہیں''۔

اس قوم کی سنہری داستان ہے جو ایمان لانے کے بعد خدا ہی سے مدد کی طالب رہی، آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہی قوم جس نے اسلام کی صداقت وحقانیت کا تجربہ کیا ہے، اس کی سچائی سے اچھی طرح واقف ہے خود اس کے دشمنوں نے ان اوصاف و کمالات کی شہادت دی ہے جن کے سامنے عقل وخرد حیران اور افکار ونظریات ششدر رہ جاتے ہیں، تاریخ شاہد ہے شجر وحجر شاہد ہیں، چین سے لے کر حدود سمندر سے ملنے والے ہر خطۂ زمین کے ساحل پر پھیلی ہوئی ان کی یادگاریں شاہد ہیں کہ جب تک یہ امت اپنے دین پر قائم رہی، روئے زمین کی بہترین امت تھی، جو ہدایت انسانی کے لیے وجود میں لائی گئی تھی، اس امت کا ہر ہر فرد فرشتہ صفت انسان تھا، وہ یہ سب کچھ اس لیے تھے کہ انہوں نے اپنے رب کو پہچانا ہر چھوٹی بڑی چیز میں اس کے دین پر عمل کیا، انہوں نے کتاب وسنت سے انحراف کو بدترین گناہ تصور کیا اور دل میں یہ یقین جمالیا کہ احکام خداوندی سے روگردانی ہی مصائب وآلام کا سبب ہے، اور جو خدا ورسول سے روگردانی کرتا ہے، خدا اور رسول کا اس سے کوئی واسطہ نہیں رہتا ہے، اس انحراف وروگردانی کے بعد کوئی کامیاب وباعزت ہو یہ ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِن يَنصُرْكُمُ اللّهُ فَلاَ غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ﴾ (آل عمران: ۱۶۰) (اگر خدا تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے)

ایک جگہ فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ فِي الأَذَلِّينَ﴾ (المجادلۃ: ۲۰) (جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ نہایت ذلیل ہوں گے۔)

خدا کے دین سے دوری اور اس کی تعلیمات چھوڑنے کی وجہ سے آج ہم لوگ اذلین ہی میں سے ہوگئے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب لوگوں نے ان قدروں سے بے التفاتی برتی اور خدا کی تعلیمات پر عمل کرنے میں سستی وکاہلی کا مظاہرہ کیا تو زوال وپستی کا شکار ہوئے، ہماری حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ذلت وکمزوری، اختلاف وانتشار ہماری علامت وپہچان بن گئی۔

حال یا ماضی مین ہمارے جو تجربات ہوئے ہیں، انہوں نے دو باتیں ثابت کردی ہیں، ان میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، پہلی بات تو یہ کہ ہمارے آباء واجداد نے جب دین کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھاما تو ایک زبردست تہذیب کو وجود بخشا اور بے مثال تمدن پیش کیا، اور آج تک دنیا انہیں کے خوان نعمت سے خوشہ چینی کر رہی ہے۔

مولانا خالد غازیپوری ندوی

صفر المظفر کا مہینہ

اسلامی تاریخ کا دوسرا مہینہ صفر المظفر ہے، اسلامی مہینوں میں اسے یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس کا حدیث پاک میں مخصوص انداز میں تذکرہ آیا ہے، اوراس سے وابستہ وہم وخرافات کی نفی کی گئی ہے: وہم کی اساس وہ نحوست تھی جو فتنوں وباؤں، امراض اور مصائب وحوادثات کی شکل میں کبھی اس مہینہ میں پیش آئی تھی اوراس کی بنیاد پر یہ عقیدہ قائم ہوگیا تھا کہ صفر کا مہینہ نحوست والم کا مہینہ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کی کلیۃ نفی فرمائی، اور انسان کو کامیاب زندگی کی راہوں میں صالح عقیدہ کی روشنی بخشی، ارشاد فرمایا: "لا عدوی و لا صفر" (چھوت چھات اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں)، اس مفہوم کی روایات حدیث کی کتابوں میں بکثرت وارد ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور کے جاہلی معاشرہ میں یہ توہمات عقیدہ کی شکل اختیار کرچکے تھے، مثلاً، چھوت چھات، سعد ونحس بھوت پریت وغیرہ۔

جاہلیت نے صفر کو نامرادی وناکامی کا پیش خیمہ بتایا تھا، اسلام نے صفر کو مظفر ومسعود گردانا، یہی وجہ ہے کہ اسلامی مہینوں میں اسی مہینہ کے ساتھ خصوصاً "مظفر" کامیاب کی صفت لگی ہوئی ہے، گویا اشارہ اس سے یہ ملتا ہے کہ یہ ایام ظفر وسعادت کے حصول کا ذریعہ ہیں، نہ کہ تشائم وبدفالی کا وحشت ناک درپن، جس میں قوت عمل ٹوٹتی ہوئی اور امیدیں بکھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

صفر کے تعلق سے یہ بھی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ وہ ایک قسم کا سانپ ہے جو انسان کے معدہ میں پرورش پاتا ہے اور بھوک کی شدت میں جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی اصل وجہ وہی سانپ ہے جو انسان کو ڈستا ہے، اس تصور ہی سے انسان لرز اٹھتا ہے اور صفر کی آمد سے اس کے تصورات واحساسات میں ایک ہلچل سی پیدا ہوجاتی تھی اسی طرح دور جاہلیت میں صفر میں نسی کو جائز سمجھا جاتا تھا اور عملاً سارے پروہت اس کے قائل تھے، نسئ کہتے ہیں مہینہ آگے پیچھے کرنے کی رسم کو یہ رسم عام طور پر اس مہینہ میں ہوتی تھی یعنی محرم کو صفر تک مؤخر کردیا جاتا تھا، اور پھر عین محرم کے مہینہ میں جو اشہر حرام میں سے تھا ان کی خوں آشام کارروائیاں جاری ہوجاتی تھیں، امام مغازی محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی تھی "وقلمس کنانی" تھا پھر اس کی اولاد در اولادیوں ہی ہوتا چلا آیا، آخر میں اسی کی نسل سے ابوثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ اس سال محرم اشہر حج میں داخل رہے گا یا صفر، یہی بات علامہ ابن اثیر نے بھی "نہایہ" میں تحریر کی ہے "قیل ارادبه النسئي و هو تاخير المحرم إلىٰ صفر" اس سے مراد محرم کو صفر تک مؤخر کرنا ہے، اسلام نے اس نسئ کے عمل کو لغو ہی نہیں بلکہ عمل کفر قرار دیا ہے ﴿إنما النسئی زيادة في الكفر﴾ (نسئ کفر کے زمانہ میں بڑھائی ہوئی بات ہے)۔

ان سب عقائد کی نفی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ "لا صفر" سے فرمادی ہے، اس میں درج بالا تینوں قسم کے عقیدہ کی نفی ہوتی ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلم معاشرہ کو ان تکدرات وخرافات سے آلودہ ہونے سے بچایا جائے تاکہ رفتہ رفتہ کہیں وہ ان توہمات کی بنیاد پر شرک میں مبتلا نہ ہوجائے، اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دن اور تاریخ کو منحوس گردانتا ہے اور اس میں اس کو مؤثر خیال کرتا ہے تو یہ شرک ہے، اس لیے کہ مؤثر تو صرف اللہ کی ذات ہے، بعض دن اور بعض تاریخوں میں کسی قوم پر نحوست اگر طاری ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقت میں نحوست کا سرچشمہ ہیں، اس لیے کہ قرآن پاک میں قوم "عاد" کی تباہی کا جہاں ذکر آیا ہے......

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

قوت فکر و عمل کا فقدان

مولانا اسرار الحق قاسمی

جب کسی قوم کی فکری صلاحیت پر گرد کی تہیں جم جاتی ہیں اور صحیح فیصلہ کی قوت جاتی رہتی ہے تو زوال، ناکامی اور پستی جیسی چیزیں اسے ہر چہار جانب سے گھیر لیتی ہیں، اس کے برعکس جو قوم غور وفکر کے سلسلہ کو جاری رکھتی ہے، دنیا کے حوادث اور تغیرات سے سبق لیتی ہے اور بدلتے حالات کے دوررس نتائج پر گہری نگاہ رکھتی ہے، وہ قوم بے شمار مسائل کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے اور زندگی کے ہر میدان میں کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوتی ہے، غور وفکر کی اسی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئی اسلام نے لوگوں کو بار بار فکر کی دعوت دی، ارشاد باری ہے: مفہوم: ''بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں اور رات دن کے آنے جانے میں بہت سی نشانیاں ہیں، ان عقل والوں کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں، کھڑے بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اور غور وفکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (جو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں) پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے، پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے'' (آل عمران:۱۹۰-۱۹۱) قرآن مجید میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ جگہ جگہ غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، اس لیے کہ غور وفکر سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہے، حالات کا تجزیہ کرنے میں مدد ملتی ہے، وقت پر صحیح فیصلے لینے کی صلاحیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور صحیح انداز سے غور وفکر کے ذریعہ انسان درست راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، خود قرآن مجید اللہ رب العزت کی جانب سے اپنے آخری پیغمبر ورسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی ایسی کتاب ہے، جس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بے شمار چیزیں موجود ہیں، قرآن کریم میں ایسی بہت سی باتیں اور واقعات بیان کیے گئے ہیں جو خلق خدا کے لیے سبق آموز ہیں اور انہیں بہترین راستہ دکھانے والے ہیں، ارشاد خداوندی ہے، مفہوم: ''یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے سر تا سر برکت ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وتدبر کریں، اور عقل سلیم رکھنے والے اس سے سبق حاصل کریں'' (ص:۲۹) لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کو قرآن مجید کی آیتوں میں، آسمانوں اور زمینوں میں اور زمانہ کے حالات و تغیرات میں جس قدر غور وفکر کی ضرورت تھی، اسی قدر اس نے اس دور میں فکر وتدبر سے غفلت برتی، اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ملت اسلامیہ کے عالمی سطح پر زوال کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے، غور وفکر جیسی عظیم دولت کو چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا ہے کہ ملت اسلامیہ آج بے شمار مسائل میں گھر گئی ہے اور اسے اپنے مسائل کو حل کرنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا، علم کے میدان میں بھی وہ دوسروں سے پیچھے چلی گئی، آج مسلمان عائلی مسائل سے لے کر عالمی مسائل تک سخت حالات کا سامنا کر رہے ہیں۔

اکیسویں صدی میں ذرا مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیجیے کہ وہ عالمی نقشہ پر اپنا کیا مقام رکھتے ہیں؟ دیگر اقوام انہیں کس نظر سے دیکھتی ہیں؟ عالمی سیاست میں ان کی کیا حیثیت ہے؟ تہذیبی اور فکری لحاظ سے ان کا بقیہ دنیا پر کتنا اثر ہے؟ دفاعی سطح پر مسلم ممالک کتنے مضبوط ہیں اور عالمی معیشت میں ان کا کون سا نمبر ہے؟ جہاں تک موجودہ دنیا میں عالم اسلام کے مقام وحیثیت کی بات ہے تو اس بات سے کون واقف نہیں کہ عہد حاضر میں عالم اسلام کی مقبولیت گم ہو چکی ہے، بیرونی دنیا میں مسلم

ممالک کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، بلکہ انہیں انتہائی پسماندہ خیال کیا جاتا ہے، متعدد ترقی یافتہ ممالک میں تو عالم اسلام سے آنے والے افراد پر گہری نظر رکھی جاتی ہے اور ان کی بابت کافی کھوج بین کی جاتی ہے، کیونکہ مسلم ممالک سے آنے والے لوگوں کو ان ممالک کے عوام وحکام دہشت گردی، بدتہذیبی اور غریبی کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فکری اور تہذیبی نقطۂ نظر سے اگر عالم اسلام کی بات کی جائے تو مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے، کیونکہ اس بات سے قطعی انکار کی گنجائش نہیں کہ مسلم دنیا فکری لحاظ سے منجمد ہو چکی ہے اور سوچنا بھول گئی ہے، حالانکہ غور وفکر کسی بھی قوم کی روح ہوتی ہے، جب فکر ہی ختم ہو جاتی ہے تو زوال اس قوم کا مقدر بن جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب جس کو چند صدیوں قبل پوری دنیا میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، وہ اب مغربی تہذیب کی ریشہ دوانیوں کے نرغے میں ہے، یہ فکری جمود کی انتہاء ہے کہ خود مسلم ممالک اپنی تہذیب سے بیزار دکھائی دے رہے ہیں، اور مغربی تہذیب وتمدن اختیار کرتے نظر آرہے ہیں، جب کہ مغربی تہذیب کے نقصانات سامنے آچکے ہیں، اگر اسلامی تہذیب کے داعی پوری دلجمعی کے ساتھ اپنی تہذیب کو زندہ رکھتے اور اس کی اشاعت کی کوشش کرتے تو جہاں وہ خود انواع واقسام کے خطرات سے محفوظ ہوتے، وہیں آج ماہی بے آب کی طرح تڑپتی دنیا اسلامی تہذیب کی ٹھنڈی چھاؤں میں سکون حاصل کرنے میں عافیت محسوس کرتی اور آج اسلامی ومغربی تہذیب کی کشمکش میں اسلامی تہذیب ہی کو غلبہ حاصل ہوتا۔

دفاع کے لحاظ سے عالم اسلام کو موجودہ دور میں انتہائی مجبور ومفلس ہی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس وقت دنیا کے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے پاس بڑی تعداد میں دفاعی ساز و سامان ہے، امریکہ، برطانیہ، روس، جرمن، فرانس اور چین جیسے ممالک تو دفاعی لحاظ سے مستحکم ہیں ہی، حتیٰ کہ عربوں کے درمیان بسا ہوا اسرائیل بھی جدید ترین ٹیکنالوجی پر مبنی دفاعی سامان سے لیس ہے اور کسی سے کم نظر نہیں آتا، تحقیقی رپورٹیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں، امریکہ کے سابق صدر جمی کارٹر (Jimmy Carter) نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسرائیل کے پاس تقریباً 150 نیوکلیائی ہتھیار ہیں، ان کے علاوہ نیچرل ریزیومس ڈیفنس کونسل اور فیڈریشن آف امریکن سینٹر نے بھی یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اسرائیل کے پاس قریب 75 سے 200 کے درمیان ایٹمی ہتھیار ہیں، نیوکلر تھریٹن رانی ٹیٹو نے بھی اسرائیل کے پاس تقریباً 100 سے 200 کے درمیان ایٹمی دھماکوں والی ڈوائسز کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے، امریکہ کی دفاعی خفیہ اجنسی کی رپورٹ میں بھی اسرائیل کے پاس 100 کے قریب ایٹمی ہتھیاروں کی بات کہی گئی تھی، جس کا انکشاف 2004 میں صحافی روون اسکاربورف نے اپنی ایک رپورٹ میں کیا تھا، صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ بعض رپورٹوں کے مطابق اسرائیل 1979 میں ایٹمی تجربہ بھی کر چکا ہے، کیا اسرائیل سے ایٹمی ہتھیاروں سے متعلق بازپرس کرنے کے لیے اتنے ثبوت کافی نہیں ہیں؟ لیکن دوسری طرف مسلم دنیا، خاص طور سے عرب دنیا کے پاس کیا ہے؟ نہ دفاعی ساز و سامان، نہ جدید ٹیکنالوجی اور نہ اسے تیار کرنے کے لیے وسائل۔ یہی حال عالم اسلامی کی معیشت کا بھی ہے، چند ممالک کو چھوڑ کر جہاں قدرتی ذخائر ہیں، زیادہ تر پسماندگی وزبوں حالی کے شکار ہیں، اگر عالمی سیاست کی بات کی جائے تو مسلم دنیا اس میں بھی بہت پیچھے دکھائی دیتی ہے۔

عالم اسلام کی اس نازک صورتحال کو دیکھتے ہوئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم ممالک اپنی تمام بنیادی کمزوریوں کو دور کریں، آپس میں اتحاد قائم کریں، غور وفکر سے کام لیں، تعلیم اور جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ ہونے کی جدوجہد کریں، مسلم دنیا کے افراد علم وعمل کے میدان میں آگے آئیں، دوسروں پر منحصر ہونے کی بجائے خودکفیل ہونے کے لیے شب وروز ایک کریں، ایک دوسرے کا تعاون کریں اور اپنے تہذیبی ورثہ کو ہر قیمت پر گلے سے لگا کر رکھیں، یقیناً فکری، تہذیبی، تعلیمی، معاشی اور سیاسی تبدیلی سے ایک عظیم انقلاب رونما ہوسکتا ہے۔

مفتی راشد حسین ندوی

احکام مولود

بچوں کے چند مسائل

مذہبِ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ پیدائش سے موت تک قدم قدم پر انسان کو ہدایات دیتا ہے، اور کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک زندگی کے تمام اعمال کو شریعت اسلامی کے سانچے میں ڈھال نہ لے، ذیل میں ہم احادیث نبویہ اور فقہ اسلامی کی روشنی میں بچوں سے متعلق چند احکام کا ذکر کررہے ہیں، ان پر عمل کرنا انشاء اللہ دنیا اور آخرت دونوں جہاں کے لیے باعث خیر و برکت ہوگا:

بچوں کے کان میں اذان: حضرت ابو رافعؓ کی روایت ہے، فرماتے ہیں ''میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن ابن علیؓ کے کان میں اذان دی جب کہ ان کی ولادت ہوئی''۔ (ترمذي) مسند ابو یعلی موصلی کے حوالہ سے علامہ سیوطی کی جامع صغیر میں حضرت حسینؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ ''جس کے کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اس کو ''أم الصبیان'' (بچوں کو جھٹکے آنے والی خطرناک بیماری) نقصان نہیں پہنچائے گی'' اور امام بغوی کی شرح السنۃ میں ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہا کرتے تھے۔

ان احادیث کی روشنی میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنا سنت ہے، اذان اور اقامت کے کلمات بالکل وہی ہونے چاہیے جو معروف اذان اور اقامت کے ہوتے ہیں، اور جس طرح نماز کی اذان و اقامت باوضو دینا چاہیے اسی طرح یہاں بھی افضل یہی ہے، اگرچہ بے وضو اذان و اقامت کہی تو ہو جائے گی، دونوں کو قبلہ کی طرف رخ کرکے کہنا چاہیے، اذان کے کلمات لہر لہر کر اور اقامت کے نماز کی اقامت ہی کی طرح قدرے جلدی جلدی کہنا چاہیے، **حي علیٰ الصلوٰۃ** پر دائیں طرف اور **حي علیٰ الفلاح** میں بائیں طرف گردن بھی پھیرنی چاہیے، البتہ چونکہ یہاں آواز بلند نہیں ہے، اس لیے کہ نماز والی اذان میں کان میں انگلی ڈالنے کی مسنونیت آواز بلند کرنے کی حکمت سے ہے اور مقصد یہاں نہیں ہے، اس اذان اور اقامت کے لیے احادیث یا فقہی کتابوں میں کسی مخصوص وقت کا ذکر نہیں ہے، البتہ ولادت کے بعد حتی الامکان جلد یہ سنت ادا کردے، اگر کسی وجہ سے کئی روز تک یہ سنت ادا نہیں ہوسکی تو جیسے ہی تنبہ ہو یہ سنت ادا کرے۔ (شامی ۱/۲۸۳، تقریرات رافعی: ۱/۴۵، مرقاۃ: ۸/۱۵۹، احسن الفتاوی: ۲/۲۷۶ تا ۲۶۸)

تحنیک: تحنیک یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد کوئی صالح آدمی کھجور یا کھجور نہ ملنے کی صورت میں کوئی میٹھی چیز اپنے منہ میں رکھ کر اور چبا کر بچہ کے تالو میں اس طرح لگادے کہ اس کا کچھ حصہ بچہ کے پیٹ میں پہنچ جائے، یہ عمل بھی صحیح احادیث سے آنحضرت ﷺ سے منقول ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ کے پاس بچے لائے جاتے تھے تو آپ ﷺ ان کے لیے دعا برکت کرتے تھے اور ان کی تحنیک کرتے تھے۔ (مسلم) حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر سے مکہ ہی میں حاملہ ہوگئی تھیں، لیکن ان کی ولادت قباء مین ہوئی، پھر میں ان کو لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے انہیں آپ ﷺ کی گود میں ڈال دیا، پھر آپ ﷺ نے کھجور منگوائی اور چبا کر منہ میں ڈال کر تحنیک کی، پھر آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی، اور یہ (ہجرت کے بعد مدینہ میں) اسلام کے پہلے بچے تھے۔ (متفق علیہ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں: میں عبداللہ ابن ابوطلحہ انصاریؓ کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت مین حاضر ہوا، آپ ﷺ نے ایک عجوہ کھجور منگائی، اور اس کو اچھی طرح چبا کر بچہ کے منہ میں رکھا، بچہ زبان ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے اس کو چاٹنے لگا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: دیکھو انصار کھجور کتنا پسند کرتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے بچہ کا نام عبداللہ رکھا۔ (متفق علیہ)

تحنیک کے لیے طبی فوائد: ''بچوں کے احکام و مسائل'' نامی کتاب میں تحنیک کے طبی اور سائنسی فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے کئی باتیں بتائی گئی ہیں، اس میں ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے خون میں شکر کی مقدار کم ہوتی ہے، اگر مقدار زیادہ کم ہو تو سانس اور عضلات کی کئی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں، بچہ کی نشو و نما میں فرق آسکتا ہے، دماغ اور سماعت یا بصارت کو نقصان پہنچ سکتا ہے، بروقت علاج نہ ہونے پر بچہ کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے، اس کا آسان علاج یہ ہے کہ پانی مین گھول کر گلوکوز شکر دی جائے، اگر بچہ منہ سے نہ لے سکے تو یہ مقدار رگوں کے ذریعہ پہنچائی جائے، ان حقائق کو سائنس نے اب جانا ہے، یہ آنحضرت ﷺ کا زندہ معجزہ ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے تحنیک کے ذریعہ اس کا علاج بتا دیا تھا، اور طریقہ بھی ایسا ہے کہ شکر کی کمی کے ساتھ ساتھ تالو اور جبڑے مضبوط ہو جاتے ہیں، اور منہ سے صاف آواز کا نکلنا آسان ہو جاتا ہے۔

عقیقہ: بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے، بہت سی صحیح احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے، چنانچہ حضرت سلمان ابن عامر ضبیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: بچہ کی ولادت کے ساتھ عقیقہ ہے، تو اس کی طرف سے ایک قربانی کرو اور اس کی گندگی دور کر دو۔ (بخاری)

اور حضرت سمرہؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: بچہ عقیقہ پر گروی ہوتا ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

حضرت علیؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن کا عقیقہ ایک بکرے سے کیا اور فرمایا: اس کا سر مونڈ دو، اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرو، تو ہم نے بالوں کو تولا تو ان کا وزن ایک درہم تھا۔ (ترمذی)

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں: جاہلیت میں جب کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا تھا تو ایک بکری ذبح کرتا تھا اور اس کے خون سے بچہ کے سر کو لتھرا دیتا تھا، پھر جب اسلام آیا، تو ہم ساتویں دن بکری ذبح کرتے تھے، اس کا سر مونڈتے تھے اور اس پر زعفران ملتے تھے اور اس کا نام رکھتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت ام کرزؓ فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا ہوگا، بکرے خواہ نر ہوں یا مادہ کوئی نقصان نہیں ہے۔ (ترمذی)

ان احادیث سے مندرجہ ذیل احکام معلوم ہوئے:

۱- بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے، یعنی بچہ کی پیدائش جس دن ہوئی ہو، اگلے ہفتہ اس سے ایک دن پہلے عقیقہ کیا جائے، مثلاً بچہ جمعہ کو پیدا ہوا تو جمعرات کو کیا جائے، جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کو پیدا ہوا ہو تو تب بھی جمعرات کو کیا جائے، اس لیے کہ پیدائش کا ساتواں دن وہی ہے، معلوم ہوا کہ بچہ جس دن پیدا ہوا اس کو جوڑ کر ساتویں دن عقیقہ کرنا چاہیے۔

۲- اگر ساتویں دن کسی وجہ سے عقیقہ نہ ہو سکے تو چودہویں یا اکیسویں دن کرے، اس لیے کہ طبرانی کی روایت میں اس کا ذکر موجود ہے۔

۳- بغیر کسی عذر کے عقیقہ کو اس سے مؤخر نہیں کرنا چاہیے، اور اگر کسی عذر سے مؤخر ہو گیا تو بہتر ہے کہ ساتویں دن کی تعداد کا لحاظ کرلے، نہ ہو سکے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن یہ خیال رہے کہ اکیسویں دن کے بعد عقیقہ کرنے کا ذکر کسی ثابت حدیث میں نہیں ہے۔

۴- بہتر یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری یا بکرا ذبح کرے، نر اور مادہ دونوں درست ہیں،

لیکن لڑکے کی طرف سے ایک بکرا ذبح کرنا بھی حدیث سے ثابت ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

احادیث میں بکرے، مینڈھے اور دنبہ کے ذبح کرنے کا ذکر ہے، اونٹ یا گائے کا ذکر نہیں ہے لیکن احناف اور جمہور کے نزدیک گائے اور اونٹ (اسی طرح بھینس) سے بھی عقیقہ جائز ہے، ان حضرات کی ایک دلیل حضرت انسؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے آثار ہیں کہ وہ اونٹ سے عقیقہ کیا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)، نیز یہ حضرات عقیقہ کو قربانی پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح قربانی اونٹ اور گائے کی درست ہے، عقیقہ بھی درست ہوگا، پھر جب بھینس، گائے اور اونٹ سے عقیقہ درست ہے تو لڑکے کے لیے اس میں دو حصے اور لڑکی کے لیے ایک حصہ ہونا چاہیے، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا مرفوع احادیث میں صرف بکری اور مینڈھے کا ذکر ہے، لہٰذا وسعت ہو تو عقیقہ مین انہیں کو ذبح کرے، دوسرے جانوروں سے وسعت نہ ہونے پر ہی عقیقہ کرے، یہ احتیاط کا تقاضہ ہے۔

۵-جانور کی عمروں اور عیوب وغیرہ سے پاک ہونے میں ان جانوروں کو قربانی کے جانور کی طرح ہونا چاہیے، گذشتہ شمارہ میں ہم اس کی تفصیل بیان کر چکے ہیں۔

۶-عقیقہ کے گوشت کے بھی وہی احکام ہیں جو قربانی کے گوشت کے ہیں، مزید یہ کہ گوشت تقسیم بھی کرسکتا ہے اور پکا کر بھی کھلاسکتا ہے، اس گوشت کو ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، الغرض نانیہال اور دادیہال کے تمام افراد کھا سکتے ہیں، یہ غلط مشہور ہے کہ نانیہال والے نہیں کھا سکتے۔

۷-افضل یہ ہے کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈی جوڑ جوڑ سے علاحدہ کی جائے، بیچ سے نہ توڑی جائے (مصنف ابن ابی شیبہ، ابوداؤد مراسیل)

۸-مستحب یہ ہے کہ پہلے جانور ذبح کیا جائے، پھر سر مونڈا جائے، اگر چہ اس کے خلاف بھی کر سکتے ہیں، سر بچہ اور بچی دونوں کے مونڈنا مستحب ہے، پھر بال کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے، مزید یہ ہے کہ زعفران مل دیا جائے، اور بال ادھر ادھر ڈالنے کے بجائے کہیں دفن کر دیئے جائیں۔

۹-ساتویں دن ہی افضل یہ ہے کہ بچہ کا کوئی اچھے معنی والا نام رکھ دیا جائے احادیث میں آیا ہے کہ سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، اسی طرح انبیاء کرام، صحابہ کرام اور صلحاء امت میں سے کسی کے نام پر بھی نام رکھنا بہتر ہوگا، آنحضرت ﷺ نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا تھا، اگر ان ناموں کے علاوہ کوئی نام رکھنا ہو تو اس کے معنی کی تحقیق ضرور کر لی جائے، بہت سے حضرات قافیہ بندی کا خیال کرتے ہوئے بالکل بے معنی نام رکھ دیتے ہیں، اس سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا احتیاط کرنی چاہیے۔

اسلام سے اس لیے ڈرتے ہیں......

"اسلام یعنی قرآن کی حکومت اگر کسی خطہ زمین پر قائم ہوجائے تو آبکاری کا محکمہ شریف تو اسی دن تخفیف میں آجائے، بڑے بڑے ہوٹلوں سے پینے پلانے کی دوکان بڑھ جائے۔ شرابیوں، افیونیوں، چانڈوبازوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں، تاڑی کانوں، سیندھی گھروں میں جھاڑو پھر جائے، قمار خانوں میں قفل پڑ جائیں، ناچ گھر اجڑ جائیں، فحش و بے حیائی کے اونچے بالاخانوں پر خاک اڑنے لگے، ایکٹروں اور ایکٹریسوں کا بازار سرد ہوجائے، "ہالی وڈ" میں نوبت فاقہ کشی کی آجائے، سینما اور تھیٹروں کے پردوں پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ جائے، عدالتوں کی رونق اور وکالت کی جان دروغ حلفی جاتی رہے، سودی بنکوں اور مہاجنی کوٹھیوں میں کتے لوٹنے لگیں، لاٹریاں پڑنا، دیوالے نکلنا، جائدادوں کا نیلام قصہ کہانی بن جائے، مجرموں کی، مجنونوں کی خودکشی کرنے والوں کی تعداد گھٹتے گھٹتے صفر تک آجائے، چوروں، رہزنوں، قاتلوں پر دنیا تنگ ہوجائے، ڈپلومیسی کے لقب سے عزت پانے والی مکاریاں، اور آرٹ اور فائن آرٹ کے پردہ میں چمکنے والی بے حیائیاں، سب اس جہاں کو داغِ مفارقت دے جائیں۔"

(مولانا عبد الماجد دریابادیؒ "نشریات ماجد")

مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی

و أنتم الأعلون إن كنتم مؤمنين

آج بات شروع کرتے ہیں ایک مکالمہ سے، مکالمہ آج کا نہیں ۱۹۲۳ء کا ہے، جب یورپ جنسی انارکی، اخلاقی بے راہ روی اور عریانیت وفحاشی کی ان حدوں تک نہیں پہنچا تھا جن حدوں کو آج وہ چھو رہا ہے، ظالمانہ مزاج اس کا پہلا بھی تھا، خون کے دریا اس نے پہلے بھی بہائے، لاشوں کے انبار اس نے پہلے بھی لگائے، سروں کے مینار اس نے پہلے بھی کھڑے کیے، اور آج بھی درندگی وسفاکی کا یہ سلسلہ قائم ہے، آج بھی جب ادھر سے ہوا چلتی ہے تو جلتے جسموں کی بو اور بہتے لہو کی رنگت لیے ہوتی ہے۔

یہ مکالمہ ایک فرانسیسی باشندہ اور ایک حقیقت پسند چینی سیاح کے درمیان اس وقت پیش آیا جب وہ صاحب فکر چینی سیاح یورپ کی خودغرضی، بے راہ روی، زخیرہ اندوزی، خدا فراموشی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے وہ مناظر دیکھ کر آیا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے تھے، چنانچہ اس نے پوری سچائی اور حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے دوست کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”میں نے پورا یورپ دیکھا، اس کی مادی ترقیوں نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا، لیکن جب میں نے یہ خیال کیا کہ یہ تمام عمارت کسی مضبوط و مستحکم بنیاد پر قائم نہیں ہے، تو مجھے یقین ہو گیا کہ اس کی بربادی کے دن بہت قریب ہیں، میں نے اس ملک میں دولت، حشمت۔ تجارتی رونق، گرم بازاری، عیش وتنعم کے وہ مناظر دیکھے جو اس کے نبی مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کے یکسر منافی تھے، وہ مذہب جس کی تعلیم یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کریں، ایک دوسرے کی مدد کریں، اگر کوئی اس کے ایک گال پر تھپڑ مار دے تو وہ اس کی طرف اپنا دوسرا گال بھی پھیر دے، وہ مذہب جس کی تعلیم یہ ہے کہ لوگ کل کا خیال نہ کریں، زخیرہ اندوزی سے بچیں، کل کے لیے کچھ جمع کر کے نہ رکھیں اور قناعت کا اپنا رأس المال بنائیں، اس کے پیروکار آج سب سے زیادہ لالچی، سب سے زیادہ خودغرض، سب سے زیادہ دولت کے پجاری، سب سے زیادہ بغاوت پر آمادہ اور ذاتی فائدہ کے لیے بے قرار، ذاتی عزت کے سب سے زیادہ دلدادہ اور سب سے زیادہ انتقام پسند واقع ہوئے ہیں“۔

اس مکالمہ سے جہاں یورپ کے زوال کی امیدوں کے چراغ جلتے ہیں، افسوس وہیں مسلم معاشرہ کی زبوں حالی دیکھ کر اور اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت، اسلامی آداب، اسلامی اخلاق، اسلامی سیرت اور اسلامی شریعت سے ان کی دوری دیکھ کر امیدوں کے ان چراغوں کی لو دھیمی ہونے لگتی ہے، اور دل میں یہ سوچ کر مایوسی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے کہ اگر یورپ کے تباہی و بربادی کے راستہ پر پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی معاشرت دین مسیح کی تعلیمات کے تابع نہیں، وہاں کا طرز زندگی شریعت عیسوی کے مطابق نہیں، اس کے معاملات، طور وطریق، رہن سہن، خدائی قانون کے موافق نہیں، تو کیا اسلامی دنیا کا موجودہ معاشرہ قرن اول کے مدنی معاشرہ سے کوئی میل رکھتا ہے، کیا عقیدہ کی ضمانت لی جا سکتی ہے، کیا معاملات کے سلسلہ میں اطمینان کا اظہار کیا جا سکتا ہے، کیا موجودہ اخلاق کو اسلامی اخلاق کا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے، کیا طرز زندگی کو سنت وشریعت کے مطابق مانا جا سکتا ہے، کیا ہماری تجارت اسلامی اصول پر پوری اترتی ہے، کیا ہماری زراعت اسلامی شرائط کو پورا کرتی ہے، کیا وراثت وترکہ کی تقسیم اسلامی فقہ کی بنیاد پر ہوتی ہے، اکثریت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یقیناً آپ کا جواب ہوگا نہیں!

ہمارے نبی نے امت کو جو راستہ دکھایا اور اس کے لیے جو ہدایت نامہ جاری فرمایا، امتی ہونے کے دعویدار ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اس ہدایت نامہ کی روشنی میں اپنی زندگیاں

گزارتے ہیں، آقائے دو عالم کی شان میں گستاخی پر غم و غصہ کا اظہار بجا، بلکہ غیرت وخودداری اور عشق نبوی کا لازمی تقاضہ ہے، اگر ہمارے دلوں مین حضور پاک ﷺ کی محبت اور جاں نثاری کا جذبہ نہیں تو پھر ہمارا ایمان بھی سلامت نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کو اس کے ماں باپ، اولاد اور عام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں''۔

لیکن اگر حکم عدولی کر کے ذات رسالت کی توہین کا مرتکب خود ہوا جائے؟ آپ ﷺ کے لائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کر کے باغیوں کی صف میں خود شامل ہوا جائے؟ تو غصہ کس پر اترنا چاہیے اور ناراضگی کس کے خلاف ہونی چاہیے؟ زبان نبوت تو یہ کہتی ہے:

☆مومن وہ ہے جو اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے☆مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی مسلمان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے☆ حسد سے بچو، حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو☆ بدگمانی سے بچو، بدگمانی گناہ ہے☆سود کھانے والا اور کھلانے والا دونوں پر اللہ کی لعنت ہے☆ خدا کی قسم وہ مومن نہیں جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں☆ظلم سے بچو، حرص وبخل سے بچو، حرص اور بخل نے تم سے پہلے قوموں کو ہلاک کیا اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا خون بہائیں اور حرام کام جائز کرلیں☆ کامل ترین ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں ☆جب تم سالن پکاؤ تو شوربہ زیادہ کردیا کرو اور ہمسایہ کا خیال کرو☆ مومن کی مثال ان کی آپسی محبت، رحمدلی اور مہربانی میں جسم کی طرح ہے، جب اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم جاگتا ہے اور کو بخار آجاتا ہے۔

کیا ہمارا طرز عمل ان ہدایات کے مطابق ہے؟ کیا ہم ایک دوسرے کی تکلیف محسوس کرتے ہیں، کیا کسی مسلمان کی کراہ ہمارے دل کو تڑپاتی ہے، ہماری آنکھ کو رلاتی اور ہماری نیندیں اڑاتی ہے، کیا ہماری مجلسیں الزام تراشی، عیب جوئی، کردار کشی اور غیبت جیسی گھناؤنی حرکتوں سے پاک رہتی ہیں۔

آج پڑوسی پڑوسی سے کیوں ناراض ہے، ہمارا معاشرہ گر وہی عصبیت کا کیوں شکار ہے، دلوں مین حسد اور آنکھوں میں نفرت کی آگ کیوں سلگ رہی ہے، فریب دہی، دھوکہ دھڑی اور جعل سازی کے واقعات ہمارے معاشرہ میں کیوں پیش آرہے ہیں، خاندانی رنجشوں، شوہر بیوی کے جھگڑوں، باپ اور بیٹوں کے درمیان تلخیوں نے وبائی شکل کیوں اختیار کرلی ہے، اسراف وفضول خرچی کے مناظر غریب مسلمانوں کو محرومی کا احساس کیوں دلا رہے ہیں، اور شکست وریخت، ذلت ورسوائی اور ناکامی وپسپائی ہمارا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہی ہے۔

وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ شریعت کا تابع نہیں اور ہماری خواہشات تعلیمات نبوی کے پابند نہیں، اور جب تک ہماری معاشرت شریعت کے تابع نہ ہو اور مسلم معاشرہ مین اسلامی قوانین کی بالادستی نہ ہو اور سرکشی، نافرمانی اور تعلیمات نبوی کی خلاف ورزی کا سلسلہ جاری رہے، ہم سائنس، ٹکنالوجی، صنعت، اسلحہ سازی اور دوسرے تمام علوم وفنون میں جتنی ترقی کر جائیں، اس ترقی کے نتائج ہمارے حق میں بہتر نہیں نکلیں گے، کیونکہ ہمارا مستقبل دین سے وابستہ ہے، اور دین ہی ہماری ہر ترقی کی بنیاد ہے، قرآن کریم کا صاف اعلان ہے﴿وَلَا تَهِنُوا وَ لَا تَحْزَنُوا وَ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾مت افسوس کرو، مت غم کرو اگر تم مومن ہو (شریعت پر کاربند ہو) تو تم غالب آکر رہوگے۔

دوسروں کے زوال کے خواب آنکھوں میں سجانے کے بجائے ہمیں اپنے اندر تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، ہماری حیثیت دوسری قوموں سے مختلف ہے، ہماری ترقی کا دارومدار صرف مادی ذرائع کے حصول میں نہیں بلکہ مادی وسائل اور روحانی تقاضوں کو یکجا کرنے میں ہے، اخلاص کے ساتھ بصیرت سے کام لینے میں اور معاشرت کو شریعت کا پابند بنانے میں ہے، تب ہم دنیا کے نقشہ پر اسی حیثیت سے ابھر سکتے ہیں جس حیثیت سے دنیا نے ہمیں کبھی دیکھا تھا۔

حکمرانوں کی معزولی اور اس کے اسباب

سید خلیل حسنی ندوی

بغاوت کی آگ نے تین اسلامی ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، جن میں ابتداء تیونس سے ہوئی اور سلسلہ مصر پر آ کر رک گیا، آخر کیا وجہ ہے کہ ان اسلامی ملکوں پر تیس تیس سال حکومت کرنے والے ظالم وجابر حکمرانوں کو حکومت کی کرسی سے اتار کر پھینک دیا گیا، اور جمہوری نظام قائم کر دیا گیا، آخر کیا وجہ ہے کہ تیس تیس سال ظلم کے سہارے اپنی حکومت چلانے والے مطلق العنان حکمراں ایک قصہ پارینہ بن گئے، کسی کو پھانسی دی گئی، کسی کو گولی ماری گئی، کسی کو ملک بدر کیا گیا، کسی پر مقدمہ چلا کر اس کو عمر قید کی سزا سنائی گئی، اپنے مخالفین کو جیلوں میں ٹھونسنے والے، ذرا سی بات پر سخت ترین سزائیں دینے والے، تائید نہ کرنے پر پورے پورے خاندان کا نام ونشان مٹا دینے والے آج خود جیل کی سلاخوں کے پیچھے نظر آتے ہیں، نہ وہ عوام کے عتاب سے اپنے کو محفوظ رکھ سکے، نہ مقدمات میں اپنے کو بری ثابت کر سکے، وجہ اس کی دوسرے چاہے کچھ بتائیں، لیکن حقیقت میں اس کی وجہ صرف یہ ہے، مال کی لالچ، اقتدار کی ہوس، عہدہ کی طلب، منصب وجاہ کی بے پناہ محبت اور سب سے بڑھ کر اسلام سے بیگانگی! اگر ہم غور کریں اور ہمیں غور کرنا بھی چاہیے تاکہ ہم اپنے آپ کو اس انجام سے اور اس رسوائی سے بچا سکیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ امریکہ نے اور اس کے اتحادی ممالک نے اپنے ان دوستوں کی مدد نہیں کی، کیوں امریکہ نے اپنا دامن ان سے چھڑا لیا، کل تک امریکہ ان کے ساتھ تھا، ان کے شانہ بشانہ تھا، اور اسی کی مدد سے ان ممالک کے حکمرانوں کو بقاء حاصل تھی، اسی کی زیر سرپرستی یہ اپنا کام انجام دے رہے تھے، اسی کے حکم سے یہ قوانین میں ترمیم کرتے تھے، اسی کے اشارہ پر پارلیمنٹ کے ممبران کی ممبرشپ ختم کر دیتے تھے، اسی کے کہنے پر اسلام پسندوں کو جیل کی کوٹھریوں میں قید کر دیتے تھے، جب یہ امریکہ کے اس قدر قریب تھے تو آخر امریکہ نے کیوں ان سے اپنا پیچھا چھڑا لیا۔

ان سوالات کا جواب اس آیت میں مضمر ہے ﴿الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ﴾ کیوں کہ ان کی امریکہ سے دوستی اور محبت صرف دنیاوی مقاصد کے لیے تھی، ان سے جو کام امریکہ کو لینا تھا وہ لے چکا، جہاں ان کا استعمال کرنا تھا کر چکا، عوامی تائید سے یہ پہلے ہی محروم ہو چکے تھے، اپنی مقبولیت یہ پہلے ہی کھو چکے تھے، باہر کا ایک سہارا تھا، اب وہ بھی جاتا رہا، چنانچہ جو نتیجہ نکلنا تھا نکل کر رہا، امریکہ سے دوستی، اسلام پسندوں سے دوری کے جو اثرات پڑنا تھے وہ پڑ کر رہے، اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ ......﴾ (المائدة-۵۱) (''اے ایمان والوں! یہود ونصاری کو دوست مت بنانا، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ ان ہی میں شمار ہوگا، بے شک اللہ تعالی ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا)

تنہا ظلم ہی کیا ان کی حکومت کے زوال کے لیے کافی نہ تھا چہ جائیکہ اس حد تک یہود ونصاری سے دوستی، اور پھر مظلوم کی آہ ظالم کو نیست ونابود کرنے کے لیے کافی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا (تین دعائیں ایسی ہیں جن کو یقینی طور شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے، ایک مظلوم کی دعا دوسری مسافر کی دعا اور تیسری باپ کی بیٹے کے حق میں دعا)، اور ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''مظلوم کی بددعا سے بچو اس لیے کہ اس کے اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔'' اور جبکہ مظلوم اللہ کا نام لیوا ہو، نیک متقی ہو، اور یہ حکمراں اپنی بقاء کے لیے ظلم کو لازمی شرط سمجھتے تھے، جس کا سہارا نہ لینے پر ان کا ملک ان کے ہاتھ سے نکل جاتا تیس سال تک انہوں نے من چاہے طریقہ سے حکومت کی، اپنی ہر خواہش کی تکمیل کی، اپنے ہر منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، اپنی ہر خواہش کو پورا کیا، مگر ایک وقت یہ بھی آیا جب ان کو معزول ہونا پڑا، عوام کی طاقت کے آگے جھکنا پڑا، اتحاد کی اہمیت کو تسلیم کرنا پڑا، عوام کے ساتھ محبت سے نہ پیش آنا، ان کے ساتھ برا برتاو کرنا،

جیلوں میں ان کو بند کرنا، اخوت ومحبت سے اعراض برتنا، اپنے کو ڈکٹیٹر سمجھنا اور عوام کو اپنا غلام تصور کرنا، ان کی معزولی کے اہم اسباب میں سے ہے۔

ان حکمرانوں کی معزولی اور ان پر چلنے والے مقدمات ہمیں یہ تین پیغام دے رہے ہیں۔

بھروسہ صرف خدا کی ذات پر ہو﴿إِن يَنصُرْكُمُ اللّهُ فَلاَ غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللّهِ فَلْيَتَوَكِّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾(آل عمران-۱۶۰) ترجمہ ''اگر اللہ تعالی تمہارا ساتھ دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ایسا ہے جو اس کے بعد تمہارا ساتھ دے، اور ایمان والوں کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالی پر بھروسہ کریں''۔

ایمان ہمارا مضبوط ہو﴿وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران-۱۳۹)(اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب ہوگے اگر تم مومن رہے)۔

اہل ایمان سے رشتہ مستحکم ہو﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات-۱۰) ترجمہ ''بے شک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح-۲۹)(''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، آپس میں رحمدل ہیں)

بقیہ: صفر المظفر کا مہینہ

......وہاں یہ فرمایا گیا:﴿یوم نحس مستمر﴾ یعنی: قوم عاد پر عذاب جاری رہنے والی نحوست کے دن آیا، اس دن کا تعلق پورے ہفتہ سے ہے، اس لیے کہ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات تیز آندھیوں کا عذاب مسلط رہا، یہاں تک کہ پوری قوم تباہ و برباد ہوگئی، ان کے محلات زمین بوس ہوگئے، اور باغوں میں خاک اڑنے لگی، علامہ عثمانیؒ نے اس آیت میں نقل کیا ہے کہ: اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا یہ نہیں کہ ہمیشہ کو وہ دن منحوس سمجھ لیے جائیں جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے، اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے منحوس بن گیا ہے تو مبارک دن کون سا رہے گا، قرآن کریم میں تصریح ہے وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا، بتلائیے اب ہفتہ کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا، چونکہ صفر کی نحوست دور جاہلیت میں فتنوں اور حوادث کے وقوعہ سے وابستہ کی گئی تھی، اور اس کو وہ فتنوں کی تحریک میں مؤثر خیال کرتے تھے لہٰذا اس سے روکا گیا، اور ہر چیز کا رخ مؤثر حقیقی اللہ رب العزت کی طرف کر دیا گیا۔

اس کے باوجود افسوس ہے کہ جاہلیت کی بہت سی رسمیں مسلم معاشرہ میں اب بھی پائی جاتی ہیں، اور اس کا لحاظ اس درجہ کیا جاتا ہے کہ جاہلیت بھی شرما جائے، انہیں خرافات میں سے صفر المظفر میں ''تیرہ تیزی'' کا وہمی تصور ہے، جو مردوں میں کم لیکن عورتوں کے دل و دماغ پر ایسا چھایا ہوا ہے کہ ہر حال میں اس کی پابندی لازمی سمجھی جاتی ہے، صفر کے شروع کے تیرہ دن انتہائی منحوس خیال کیے جاتے ہیں، شادی بیاہ نہیں کی جاتی، دلہن کی رخصتی موقوف ہوتی ہے، کوئی نیا کام کرنے سے گریز کیا جاتا ہے، ان دنوں میں ولادت کو بھی کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، اگر ولادت کسی کے یہاں ہوئی تو سمجھا جاتا ہے کہ اس کی آمد پریشانیوں کا پیش خیمہ ہے، اور اگر خدانخواستہ کوئی بات ہوگئی تو اس کو فوراً اس نئے مہمان کی آمد سے جوڑ دیا جاتا ہے، یہ خالص جاہلی تصور ہے جو ہمارے معاشرہ میں ہندوؤں کی وجہ سے رفتہ رفتہ پیدا ہوا، سعد و نحس کا تصور قطعاً اسلامی نہیں، جو کچھ ہوتا ہے، صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس کے حکم میں کسی کو اختیار نہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، ایک مسلمان کی یہی شان ہے کہ اس کا باطن ان وہمی تصورات سے قطعاً پاک ہو اور ظاہر طاعت ربانی پر شاہد ہو، پھر اس کو وہ قوت قاہرہ حاصل ہوگی جو کسی قوم و ملت کی قیادت کے لیے ضرورت ہے۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زبان تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

امریکی افواج میں خودکشی کا رجحان

ایک جائزہ

محمد نفیس خاں ندوی

میدان جنگ میں اپنی ذمہ داریوں کوانجام دینے والےفوجی دومختلف قسم کے خیالات کے حامل ہوتے ہیں ،، ایک پروفیشنل (Professional)اور دوسرے پرسنل(Personal)، پروفیشنل طریقہ سے فرائض کی ادائیگی کی سب سے بڑی مثال امریکی وناٹو افواج ہیں،اور پرسنل طریقے سے اپنے فرائض نبھانے والے عراق اور پھر افغانستان میں مزاحمت کرنے والے مجاہدین ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج تک پوری اسلامی تاریخ میں کسی ایک مجاہد یا اسلامی فوجی نے نہ تو خودکشی کی اور نہ وہ نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوا، جبکہ اس کے بالکل برعکس امریکی فوج دن بدن دماغی مریض ہورہی ہے اور خودکشیاں کرنے پر مجبور ہورہی ہے، میڈیا میں یہ باتیں گشت کررہی ہیں کہ امریکہ کے فوجی جنگوں سے تنگ آچکے ہیں، خوف وہراس کے ماحول میں وہ اپنا ذہنی توازن کھو رہے ہیں، اور موہوم خطرات سے گھبراکر خودکشی کرنے پر مجبور ہیں۔آج امریکہ کے اسپتالوں میں 80 فیصد تعداد ان دماغی مریضوں کی ہے جوافغان وعراق کی جنگوں میں حصہ لے چکے ہیں۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ فوجی جن کی زندگی کا مقصد ہی فتحیاب ہونا یا ہنستے ہنستے موت کو گلے لگانا ہوتا ہے، جن کی نگاہوں کے سامنے ان کے ملک وقوم کا وقار اور اس کے سرحدوں کی حفاظت ہوتی ہے، وہ اس طرح کے عوارض کا شکار ہوجائیں، اور میدان جنگ سے ان کی طبعیتیں اکتا جائیں....!!

اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے یہ فوجی امریکہ کے شوپیس(Show Piece) تھے، انھوں نے کبھی کسی سخت مہم میں حصہ نہیں لیا تھا، امریکی جنرلوں نے ان کے ساتھ غلط بیانی کی، انھیں سبز باغ دکھائے، اور ایک بڑی تعداد کو جنگی تربیت مکمل ہونے سے پہلے ہی کسی طرح کو افغانستان جانے کے لیے آمادہ کرلیا، امریکی انتظامیہ نے ان فوجیوں کو خصوصی مراعات بھی دیں، ان کی دلجمعی کے سبھی اسباب فراہم کیے، ہرفوجی دستہ کے ساتھ ماہر نفسیات کی ایک ٹیم مقرر کی، لیکن تنخواہوں پر کام کرنے والے ا فوجیوں کو وہاں پہنچ کر جس صورتحال کا کا سامنا کرنا پڑااس نے انھیں ہواس باختہ کردیااور وہ ذہنی تناؤ (Depression) کا شکار ہونے لگے، اور پھر مختلف حیلوں کے ذریعہ وہ اپنے گھر لوٹنے کے لیے کوشاں رہنے لگے۔

ایک رپورٹ کے مطابق خودکشی کے شکار زیادہ تر وہ فوجی ہوتے ہیں جو چھٹیوں میں اپنے گھر آتے ہیں اورانھیں دوبارہ محاذ پہ جانے کا حکم(Order) ملتاہے، یا وہ فوجی جو گھر آکر کسی طرح واپس تو چلے جاتے ہیں لیکن گھر کی یاد اور میدان جنگ کی تباہیوں سے نڈھال ہوجاتے ہیں۔

آج امریکہ جس صورتحال سے دوچار ہے اس کا اس کو گمان بھی نہیں تھا، ان جنگوں نے اسے شدید کڑھن اور آزمائش میں مبتلا کردیا ہے، مالی طور پر اٹھنے والے اخراجات اپنی جگہ، اب امریکی فوجیوں نے افغانستان کی تعیناتی کا حکم ماننے سے بھی انکار کرنا شروع کردیا ہے، جس کی وجہ وہاں کی عمومی صورت حال، غیر معمولی دباؤ، اوراب تک کسی خاص کامیابی کے حاصل نہ ہونے کی وجہ سے سخت نفسیاتی الجھن سے دوچار ہے، جس کے نتیجہ میں زبردستی سکون حاصل کرنے کی خاطر نشہ آور نیند کی گولیوں کا استعمال عام ہے۔ اب تک شدید تناؤ، نفسیاتی بیماریاں اور عدم اطمنان کی کیفیات ان فوجیوں میں عام تھیں، مگر حالیہ برس میں فوجیوں کی خودکشی کے بڑھتے ہوئے رجحان نے امریکی انتظامیہ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔

گذشتہ پانچ سالوں میں خودکشی کے رجحان میں خاصی شدت پیدا ہوئی ہے، اس سے قبل 91-1990ء میں گلف وار کے دوران تقریباً 102 فوجیوں نے خودکشی کی تھی جو تاریخ کی سب سے تشویشناک شرح تھی، لیکن افغان وعراق کی جنگ میں یہ شرح کئی گنا بڑھ گئی ہے، خود امریکی اداروں کی رپورٹ کے مطابق 2005ء میں 87 فوجیوں نے خودکشی کی، 2006ء میں یہ تعداد بڑھ کر 99 تک پہنچ گئی، 2008ء میں خودکشی کی شرح تاریخ کے بلند ترین سطح پر پہنچ گئی اور پنٹاگن نے 128 کی تعداد درج کی، گزشتہ ایک ماہ کے دوران 38 سے زائد فوجی خودکشی کرچکے ہیں،

2012ء کے ابتدائی چند ماہ کے دوران ہر ماہ اوسطاً 33 فوجی محاذ جنگ پر مختلف وجوہات کی بنا پر خودکشی کر چکے ہیں۔

جبکہ ان میں ان واقعات کو شامل نہیں کیا گیا ہے جن کے بارے میں یہ یقینی نہیں تھا کہ یہ اموات اقدام خودکشی کا نتیجہ ہیں یا کسی اور وجہ سے تاہم پنٹاگن کے ترجمان نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ 90 فیصد التوا کا شکار یا غیر یقینی کیس بعد میں خودکشی ہی ثابت ہوتے ہیں۔

افغانستان میں جنگی فریضہ ادا کر کے وطن واپس آنے کے بعد تقریباً بیس فیصد فوجی ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں، اس سے قبل 1960ء کی دہائی کے اخیر میں جنگ ویتنام سے لوٹنے والے فوجیوں کو بھی اس قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، امریکی سپاہیوں نے جب خود اپنے ساتھیوں کی وحشیانہ کارروائیاں دیکھیں تو وہ نفسیاتی عوارض کا شکار ہو گئے، نفسیاتی عوارض دردسر بن جاتے ہیں لیکن اس سے دردسر کی گولیاں کھا کر نجات حاصل نہیں کی جاسکتی۔

امریکی افواج میں خودکشی کا رجحان نیا نہیں ہے، گزشتہ 25 برسوں میں یہ رجحان گھٹتا بڑھتا رہا ہے، اس حوالہ سے ہونے والی تحقیق میں فوجیوں کی خودسوزی کے رجحان کو ایک لاکھ فوجیوں میں فیصد کے حساب سے جانچا جاتا ہے، 1985ء میں یہ تناسب 15.8 فیصد تھا جو کہ اس وقت کا بلند ترین تناسب تھا، یہ تناسب 2001ء میں 9.1 فیصد ہو گیا جو کہ خاصا کم اور امریکی انتظامیہ کے لیے حوصلہ بخش تھا، اسی طرح 1993ء میں یہ تناسب 14.2 فیصد رہا، جو چند سالوں میں بڑھتا ہوا 20.2 تک پہنچ گیا، لیکن گزشتہ سالوں میں یہ تناسب تیزی سے بڑھتا رہا اور 2012ء میں یہ شرح 29.1 تک پہنچ گئی، جس نے امریکی حکام کو تشویش میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اس پیچیدہ صورت حال سے نپٹنے کے لیے تاریخ کے طویل ترین اور مہنگا ترین منصوبہ پر کام شروع کیا گیا، اس کے لیے 50/ملین ڈالر کی خطیر رقم مختص کر دی گئی، تاکہ فوجیوں میں بڑھتے ہوئے رجحان پر تحقیق کی جاسکے اور فوجیوں کو اس بات کی ٹریننگ دی جائے کہ جنگ کی صورتحال میں پیدا ہونے والے اعصابی دباؤ کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

اب تک کی رپورٹوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عراق وافغان میں تعینات فوجیوں کی خودسوزی کی وجہ وہاں پر مستقل ناکامیوں کا سامنا، مسلسل تناؤ کی کیفیت کا شکار رہنا، وطن اور پریوار سے دوری کا احساس، اپنی نگاہوں کے سامنے دوستوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کو دیکھنا، اور خود کے مستقبل کی گھٹاٹوپ تاریکی ہے۔ یہاں قابل غور پہلو یہ ہے کہ کسی ملک میں فوج میں جن نوجوانوں کی بھرتی ہوتی ہے وہ عام جوانوں سے مختلف ہوتے ہیں، ان کے اعصاب مضبوط اور حوصلے بلند ہوتے ہیں، جس کے لیے حکومت ان کو خاص ٹریننگ بھی دیتی ہے اور ایک بڑا مالی بجٹ اس پر خرچ بھی کرتی ہے، جب ایسی ٹریننگ اور جدید اسلحوں سے لیس ہونے کے بعد ان میں خودکشی کا رجحان ترقی پا رہا ہے تو یقیناً ان کی نفسیاتی حالت اور ذہنی دباؤ کی کیفیت ایک عام انسان کی فہم وادراک کے تصور سے کہیں بڑھ کر ہے۔

ان واقعات کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ ان فوجیوں کو ایسے دشمن کا سامنا ہے جن کے بارے میں انھیں صرف یہ پتہ ہے کہ وہ عراق یا افغان میں موجود ہیں، ان کے پاس ان کی شناخت کے لیے کوئی طریقہ نہیں ہے، چنانچہ جب وہ گلیوں میں گشت کر رہے ہوتے ہیں تو انھیں اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ سامنے والا شخص ملک کا عام باشندہ ہے یا امریکہ کا ''مطلوب دہشت گرد''۔ کسی واضح دشمن سے لڑنا آسان ہوتا ہے لیکن دشمن کی آس یا واہمہ پر گلی گلی چکر لگانا خاصا دشوار اور مشکل کام ہے، جس کے نتیجہ میں دشمن ملے یا نہ ملے مگر دشمن کی تلاش میں سرگرداں فوجی ضرور نفسیاتی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔

اگر افغانستان کی جنگ مزید چند سال اور جاری رہتی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ افغان مجاہدین کو پاگلوں اور ذہنی بیماروں سے جنگ لڑنی پڑے گی، ان جنگوں کی وجہ سے امریکہ کا اقتصادی نظام بری طرح متاثر ہو چکا ہے، اور اب افرادی قوت بھی کمزور ہوتی جا رہی ہے، اگر صورتحال میں تبدیلی کی کوشش نہ کی گئی تو حالات وقرائن اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ امریکہ کا انجام سوویت یونین سے مختلف نہیں ہوگا، لیکن امریکہ کو کون سمجھائے؟!

دار عرفات اپنے ایک رکن سے محروم

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ادارہ دار عرفات کے لیے یہ صدمہ کی بات ہے کہ اس کے رکن اور قدیم کارکن جناب سید مصباح النبی حسنی نے ایک طویل علالت کے بعد ۱۳؍ نومبر ۲۰۱۲ء کو وفات پائی، سید صاحب موصوف مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے نانا حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ کے پر پوتے اور حضرت کی اہلیہ مرحومہ کے حقیقی بھتیجے تھے، دینی و عملی ذوق ان کو وراثت میں ملا تھا، انہوں نے عصری تعلیم حاصل کی پھر اسی تعلیم کے مطابق معاشی راہ اختیار کی، اور سیلس ٹیکس ڈپارٹمنٹ میں وکالت شروع کی لیکن اس پیشہ سے طبعی مناسبت نہ ہونے کی بنا پر اس ترک کردیا، اور اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد حجاز تشریف لے گئے اور پھر تقریباً نصف صدی وہیں گذار دی، وہ وہاں جہاں جہاں رہے انہوں نے اچھا اثر چھوڑا، ملازمت کے دوران ان کی امانت داری قابل رشک اور اچھے اچھے دینداروں کے لیے ایک مثال تھی۔

دنیا کی محبت سے بے نیاز تھے، کمانے کے سلسلہ میں صرف ضرورت کی حد تک توجہ رکھتے رہے اور جو کچھ کماتے اس سے اپنے والدین اور اہل قرابت کے حقوق کو ادا کرتے اور پریشان حال وضرورت مندوں پر خرچ کرتے تھے

اخیر میں اپنی ضعف وعلالت کی وجہ سے وہ وطن تشریف لے آئے، دار عرفات سے ان کا قدیم تعلق تھا پھر وہ اس کے باقاعدہ کارکن بن گئے، ادارے کے انگلش آرگن (عرفات وائس) پورا ان ہی کے ذمہ تھا، اس کا وہی ترجمہ کرتے تھے، اس کے علاوہ انہوں نے متعدد کتابوں کا انگلش میں ترجمہ بھی کیا جن میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب ''اسلام کے تین بنیادی عقائد'' خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس کا اخیر کا کچھ حصہ ان کی علالت کی وجہ سے باقی رہ گیا تھا، امید ہے کہ ان کے فرزند برادر عزیز سید محمد مکی حسنی ندوی اس کو پورا کریں گے، یقیناً اس سے ان کے والد کی روح خوش ہوگی۔

جب تک صحت نے ساتھ دیا وہ پوری پابندی اور مستعدی کے ساتھ کام میں لگے رہے، معذوری کے باوجود اپنے گھر ہی میں وہ مطالعہ بھی کرتے اور ترجمہ کا کام بھی جاری رکھتے، سستی ان کو چھو کر نہیں گذری تھی۔

ان کی سب سے زیادہ قابل رشک ادا جماعت کے ساتھ نمازوں کا اہتمام ہے، جب تک سہارے سے لائے جاسکے اصرار کر کے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے رہے، جب معذوری آخری درجہ مین پہنچ گئی تو گھر ہی میں اس کا اہتمام رہا، ان کو نماز کی یہ نسبت اپنے جد بزرگوار حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ سے حاصل ہوئی تھی، جن کے بارے میں مشہور ہے کہ شدید رعشہ کے باوجود جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ستون کھڑا کر دیا گیا ہے، حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے ایسی نماز کسی کی نہیں دیکھی، نماز کی یہ نسبت ان کے فرزندوں اور پوتوں سے ہوتی ہوئی سید مصباح النبی حسنی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی۔

اپنی بیماری کے زمانہ میں وہ بڑے صابر وشاکر رہے، کبھی کسی سے شکایت کا ایک لفظ نہیں کہا، یہ اللہ کے فضل ہے کہ ان کو خدمت گزار اولاد ملی۔

سید صاحب نے زندگی کے آخری سالوں کو جس طرح گزارا اس سے اولیاء اللہ کی یاد تازہ ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور اپنے اسلاف کے ساتھ ان کو بھی شامل فرمائے اور یہ سلسلہ آگے بھی قائم رکھے، ان کے بڑے فرزند سید ضیاء النبی حسنی اور سب سے چھوٹے فرزند سید احمد مدنی ہیں اور ایک صاحبزادی بھی ہیں جو دہلی میں اپنے شوہر کے ساتھ مقیم ہیں۔

اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں

چار نکاتی پروگرام

(۱) تعلیم کا اسلام سے گہرا تعلق ہے، پوری دنیا پر مسلمان اس وقت تک چھائے رہے اور امن وسکون قائم رہا جب تک انہوں نے علم کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی، ضروری ہے کہ مسلمان دوبارہ اس کی طرف توجہ کریں، اور محلّہ محلّہ گاؤں گاؤں سروے کر کے ان بچوں پر خاص توجہ دیں جو تعلیم حاصل نہیں کر رہے ہیں، ہر ممکن طریقہ سے ان کو تعلیمی اداروں سے جوڑنے کی کوشش کریں۔

(۲) اسلام کا رشتہ مسلمانوں سے ٹوٹتا جارہا ہے، خاص طور پر اسکولوں میں جو نصاب پڑھایا جارہا ہے، اس سے مسلمان آہستہ آہستہ دین سے کٹتے جارہے ہیں، اس کے سدِ باب کے لیے ضروری ہے کہ اسکولوں میں پڑھنے والے بچے اور بچیوں کے لیے مسجد مسجد، محلّہ محلّہ صبح وشام کی دینی تعلیم کا نظم کیا جائے اور اس کے لیے مکاتب قائم کیے جائیں ورنہ خطرہ ہے کہ آئندہ آنے والی نسل ارتداد کا شکار نہ ہوجائے۔

(۳) جس چیز سے اس وقت مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے، وہ آپس کی لڑائیاں، جھگڑے اور مقدمہ بازیاں ہیں، ہر ممکن کوشش کر کے صلح صفائی کرائی جائے اور مقدمات عدالتوں میں لے جانے کے بجائے دار القضاء میں لائے جائیں اور اسلامی شریعت کے مطابق جو فیصلے ہوں ان کو ہر فریق دل کی خوشی کے ساتھ تسلیم کرے کہ درحقیقت یہ فیصلہ حضور پاک ﷺ کا فیصلہ ہے، اس میں دین کی بھی سلامتی ہے اور دنیا کی بھی۔ دار القضاء **الحمدللہ** میدانپور تکیہ کلاں رائے بریلی میں قائم ہے۔

(۴) اسلامی سماج کے لیے جو چیز ناسور بنتی جارہی ہے وہ سماج کی خرابیاں ہیں، سود، جوا، لاٹری، سٹہ، شادی بیاہ میں بے جا اسراف اور فضول رسمیں۔

محلّہ محلّہ، گاؤں گاؤں ان برائیوں کو مٹانے کی کوششیں کی جائیں، اور ان کے لیے جو ہوسکے تدابیر اختیار کی جائیں۔

طریقہ کار

اصلاح معاشرہ کے لیے ان مذکورہ بالا چار کاموں کی بڑی ضرورت ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ محلّہ محلّہ اور گاؤں گاؤں لوگوں کی ایک تعداد فکر مندی کے ساتھ کھڑی ہوجائے، جن میں بزرگ حضرات بھی ہوں، جن کے مشوروں اور سرپرستی میں کام آگے بڑھ سکے اور فکر مند نوجوان بھی ہوں جن کی قوت عمل اور جذبہ سے ملت کو فائدہ پہنچے۔

محلّہ کے ذمہ دار حضرات ہفتہ میں ایک دن طے کرلیں جس میں مشورہ کریں اور گذشتہ کاموں کا جائزہ لیں، اور آئندہ کاموں کے لیے طریقہ کار طے کریں۔

یہ چار کام اگر پوری فکرمندی اور لگن سے کر لیے گئے تو انشاء اللہ جلد ہی اس کے نتائج سامنے آئیں گے اور مسلم معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بنے گا جو دوسروں کے لیے بھی نمونہ ہوگا اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بھی۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly **Payam-e-Arafat** Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

VOLUME 4 — **DECEMBER 2012** — ISSUE 12

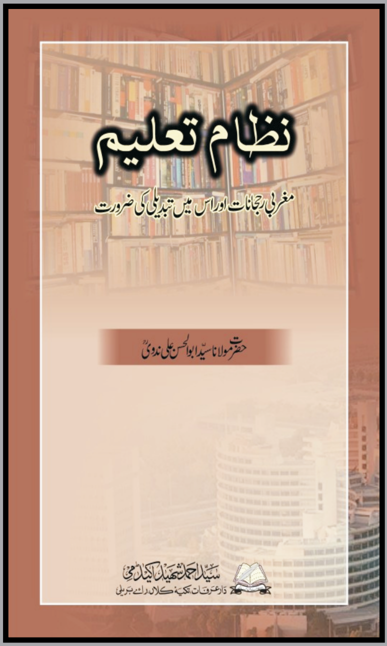

رابطہ کریں:

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

Mob: 9918385097

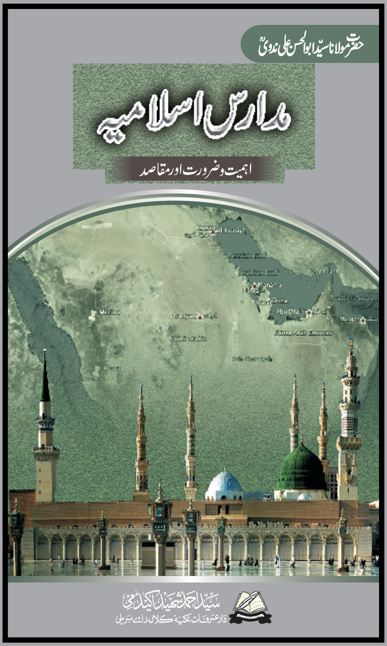

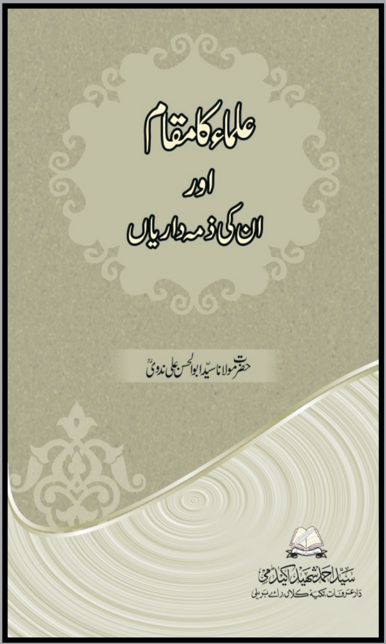

Designed by Mohammad Makky Hasani Nadwi

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi

MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI

Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli, U.P.
Mobile: 9918385097, 9918818558
E-Mail: markazulimam@gmail.com
www.abulhasanalinadwi.org

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi
On Behalf of: Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi
Printed at S.A. Offset Printers, Masjid ke peeche,Phatak
Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli, U.P.